کفِ سحر
حیدر گیلانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

پھر ملے گا سرورِ "الا اللہ"

پہلے اظہار "لا الہٰ" میں ہو

حیدر گیلانی

عزیزِ نیک جناب حسنین محسن کے لیے

کفش بوسِ عزادارانِ سید الشہداءؑ

سید محمد کلیم حیدر گیلانی

۱۹ / مئی ۲۰۱۵ء - لاہور
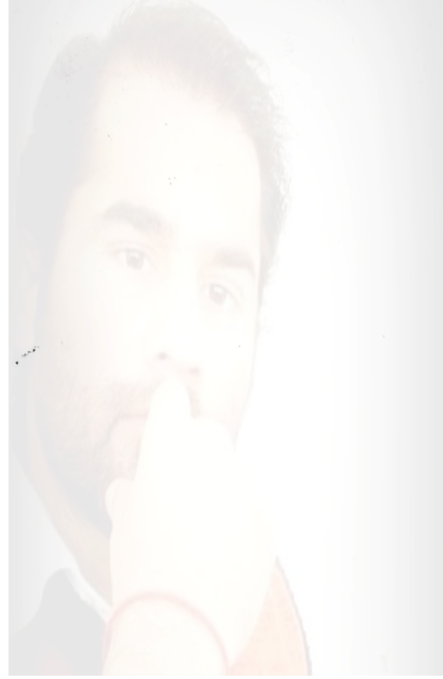
کفِ سحر

تری وفا کے صلے میں فراز صلیب

مزا تو جب ہے، قصیدہ میں پھر پڑھوں تیرا

کفِ سحر

حیدر گیلانی

شام کے بعد پبلی کیشنز

آفس نمبر 22، فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ پاکستان

فون نمبر: 042-37310115

اہتمام اشاعت

سیّد محمد اویس مصطفیٰ گیلانی
سیّد سمیر عباس شاہ گیلانی

طبع اوّل : دسمبر 2014ء
تعداد : 1000 (ایک ہزار)
ناشر : شام کے بعد پبلی کیشنز
کمپوزنگ : آئیڈیل پرنٹرز، لاہور (042-35213337)
اہتمام : سید پیر حسن شکیل حیدر گیلانی، سید عنایت علی جعفری
کاوش : ڈاکٹر عبدالوحید مغل (پی۔ایچ۔ڈی)، سیّد انیل عباس نقوی
سرورق : بابر
قیمت : -/200 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ الرضا، 8۔بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

انتساب

بابُ العلم امیرالمومنین علی ابنِ طالب صلوٰۃ اللہ علیہ

کے نام

اس غرور کے ساتھ

مجھے سخُن کا سلیقہ ملا تیرے در سے
زمینِ فکر پہ بکِھرا ہوا ہے رنگ ترا
ازل سے تُو مرا داتا ہے اے علُوم کے در!
ابد تلک میں گداگر ترا، مَلنگ ترا
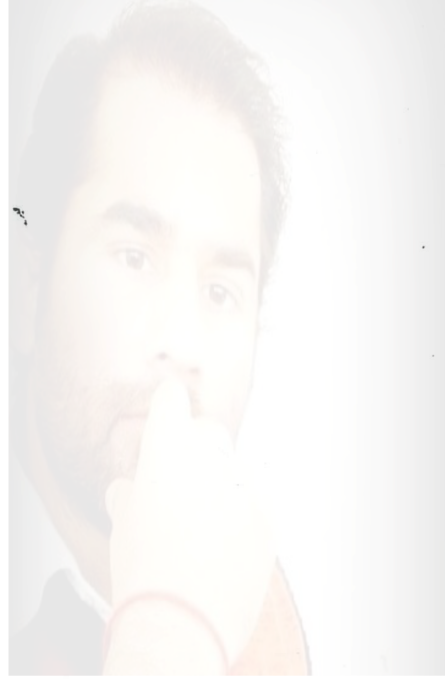
اس شعبدہ بازی سے بصارت نہیں ملتی
پتھرائی ہوئی آنکھ میں نیلم نہ جڑا کر
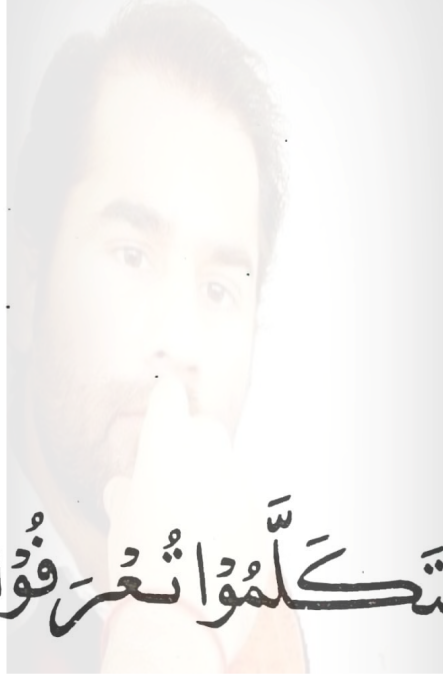
کلام کرو تا کہ پہچانے جاؤ

امیر المومنین مولا علی ابن طالب صلوٰۃ اللہ علیہ

نشیبِ ذات سے دیکھا یہ معجزہ تیرا
فرازِ نوکِ سناں پر بھی سرخرو تو ہے

اشارت

کارزارِ سخن میں ایک رجز

اس کی آنکھیں کلبلاتے ہوئے منظروں سے اٹی ہوئی ہیں۔ اس کے چہرے پر کیفیتوں کے ہزار ہا موسم ہر دم اترتے اور بچھڑتے ہیں۔ زندگی کی سفاک تیز رفتاری کے ہم قدم ہونے کے باوجود اس نے اپنے عہد کا شعور، اپنے اردگرد پھیلی ہوئی بے کنار زندگی سے براہِ راست اخذ کیا ہے۔ وہ اپنے اظہارات میں خود زندگی ہی کی طرح کبھی ملائم اور کبھی کرخت ہے، یوں لگتا ہے جیسے وہ زندگی کے روایتی عقائد اور موجود حقائق کے شواہد کے درمیان حیران کھڑا اپنے آپ کو بکھرنے سے بچانے یا بکھرتی ہوئی ذات کو سمیٹنے کی آویزش میں تنہا ہے۔ یوں وہ مجھے کربلا کا ایک زندہ تلازمہ لگتا ہے جو فنا کے گھاٹ اترتی ہوئی نئی پرانی حقیقتوں کے جلو میں زمان و مکاں کو نئے سرے سے دریافت کرنے، سمجھنے اور دوسروں پر منکشف کرنے کی افتاد میں ہے۔ اس ضمن میں ازل سے اب تک کی کہانیوں پر اسے حیرت بھی ہے اور دکھ بھی۔

کب سے اِسے تہذیب کے گِدھ نوچ رہے ہیں
فٹ پاتھ پہ جو زیست کا مردار پڑا ہے

اس کا پیغام استعجابیہ ظلم کے خلاف نفرت کے اظہار کا ایک سلیقہ ہے۔ اس اسلوب میں گلہ پھاڑ کر ساری بات کو برملا کہہ دینے کا حوصلہ ہے۔ جسے ہم اس کی حق پرستی، معصومیت، عادت، روایت یا اس کی شعری شعور کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ شہروں کی ہماہمی سے دور دیہات کا رہنے والا ایک حساس شاعر ہے۔ وہ مضافات پر

کارخانوں کی چمنیوں سے اُبلتے ہوئے زہریلے دھوئیں سے لتھڑی ہوئی بارشوں کا عینی شاہد بھی ہے اور ان سادہ معصوم انسانوں کے دکھوں کا نوحہ گر بھی۔ جنہیں ہم اپنی نام نہاد ترقی کے لئے صرف خام مال کے طور پر استعمال کرنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ وہ ضلع جہلم کے ایک دور افتادہ چھوٹے سے گاؤں کا سادہ لوح باشندہ ہے۔ اس کے پاس دنیا کی اعلیٰ شاعری کے مطالعے کے وسائل بھی نہیں اور اپنے وجدان کے لیے دوسروں کے شعری تجربات سے استفادہ کرنے کے امکانات بھی میسر نہیں۔ یعنی اس کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس کا اپنا ہے۔ عملاً بھی وہ اپنے فطری اور روایتی ماحول سے الگ ہو کر دور از کار تصوراتی جہانوں کے تصورات سے الجھتا ہوا ایک ادراک نہیں، وہ تصوراتی سائنس فکشن کا خالق بھی نہیں۔ صرف وارداتِ قلبی کو جو اس کے داخل اور خارج سے مربوط ہیں، ایک نئے آہنگ کے ساتھ بے ساختہ پیش کر دینے والا قلم کار ہے۔ ماحول کے لحاظ سے اس کے اسلوب میں اونچے خشک اور بے آب و گیاہ کوہساروں کے سناٹے بھی ہیں اور کھلے پاٹ والے دریائے جہلم کی آہستہ خرامیاں بھی، لیکن اس کے داخل میں ظلم و استبداد، حالات کے جبر اور زرعی معاشرے پر وڈیروں کی عمل داری کے خلاف جو ہیجانات ہیں، اس کے بے ساختہ اظہار نے اسے کچھ ایسے بولتے مناظر عطا کر دیئے ہیں، جن کے سامنے امکانات کے کئی گنجان جہان سلسلہ در سلسلہ پھیلے ہوئے ہیں۔

جو کر سکو تو شمار کرنا عذاب میرے
خزاں کی زد پر سدا رہے ہیں گلاب میرے

اپنی ان کیفیات کو محرومیوں یا المیوں کو اس نے اپنے شعور میں رچے ہوئے کربلا کے عالمگیر المیے سے مربوط کر کے اپنے سارے منظر ناموں کو نئی زبان دے دی ہے۔ اور یوں اس کے یہاں آپ ہی آپ مطالب و مفاہیم کے کئی جہان آباد ہوتے چلے گئے ہیں۔

ہمارے ہاتھ کٹے ہیں مگر وفا کا عَلَم
بلند اور ہوا خاک پر نہیں آیا

پیاس اتری لبِ دریا لکھیں
آؤ ماحول کا نوحہ لکھیں

فراتِ ذات پہ جانا ہے اور یہ مشکل ہے
ہماری راہ میں ریگِ ہوس کے ٹیلے ہیں

ازل سے ہے مآلِ جبر پستی
سِناں نیچے ہی رہتی ہے سَروں سے

اس نوع کے کئی احساسات غمِ دوراں بن کر اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن وہ ان سے خائف نہیں۔ کسی وسیلے سے ان کو پچھاڑ دینے کا عزم رکھتا ہے۔

مجھ کو گہرائیوں میں جانا ہے
باندھ پتھر کے بادباں مجھ پر

یہ اس کا پہلا مجموعہ کلام ہے جو شعر گوئی اور معنی آفرینی کے گنجان کارزار میں ایک رجز کی طرح لگتا ہے۔ مجھے یقین ہے، آگے چل کر شعری امکانات کے کئی طُوطم اس کا وقار بنیں گے۔

اختر امام رضوی
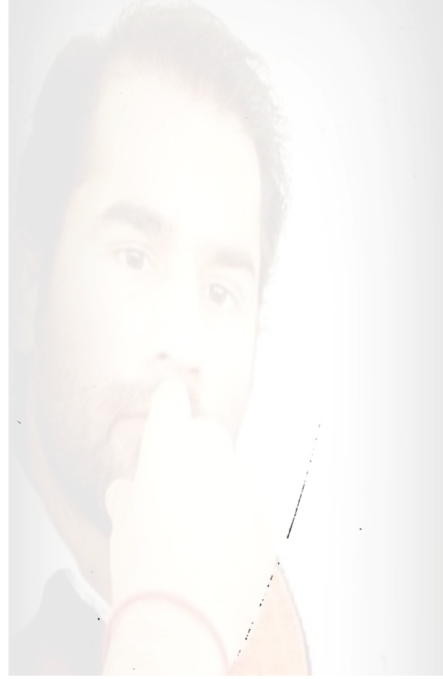
ہنر سیکھا ہے جب سے ڈوبنے کا
عداوت سی رہی ہے ساحلوں سے

عکس

جذبہ وفکر کی روشنائی سے زندگی کا صد رنگ عکس حرف حرف ذہن ودل کے اوراق پر انڈیلنا (اور پھر اسے شعر کرنا) کو کنی سے زیادہ کٹھن عمل ہے۔ لیکن ہمیں بہر طور پر اس خارزار سے ننگے پاؤں گزرنا ہے کیونکہ ہمارا احساس مردہ ہے نہ آنکھیں پتھر۔ اگر ہم دامن بچائیں گے تو مجرم ٹھہریں گے کہ بعض حالات میں مظلوم کی لب بستگی گناہ بن جاتی ہے۔ اگر ہمارے دامن میں زرِ حرف وصوت ہے تو ہم کیوں اسے چُپ کے اندھے پاتال کی نذر کریں؟ اگر خواب بُننے کا ہنر ہماری آنکھوں کو نصیب ہے تو ان خوابوں کا اظہار کیوں نہ کیا جائے؟ اگر چہ ہم جانتے ہیں کہ ہر خواب کی ہتھیلی پر تعبیر کا چراغ فروزاں نہیں ہوا کرتا لیکن خواب دیکھنے اور تعبیروں کی آس میں سانسیں گننے سے تو کوئی کسی کو نہیں روک سکتا۔

ہم اپنے خوابوں کی دھنک احساس کے اُفق پر سجائے وقت کی رہ گزر پر لمحوں کے سنگریزوں پر برہنہ پا چلے جا رہے ہیں کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ جہاں کراں تا کراں خود فریبی کی گرد چھائی ہو، جہاں حرفِ اظہار صدا کو ترستا ہو، جہاں صداقتوں کے خوف سے خود اپنی ساعتوں کو ہٹ دھرمی کی سیسہ پلائی ہوئی دیواروں میں چُن دیا جائے، جہاں سوچ اپنی ذات کے حصار سے ایک قدم بھی باہر نکلے تو اس کے پاؤں جلنے لگیں، جہاں (جذبات سے تہی) دل کا مصرف صرف جسم میں لہو کی ترسیل رہ جائے، جہاں اپنی نگاہوں پر اماوس کی کالی پٹیاں باندھ کر ”کفِ سحر“ میں لپٹے ہوئے نورانی سندیسوں کو درخود اعتنا نہ سمجھا جائے، جہاں (اس ہولناک تصویر کے دوسرے رخ پر) آٹھوں پہر سورج سوا نیزے پر رہے اور

اگر کبھی سَر پر سایہ نظر آئے تو وہ بھی بارود کا دھواں ہو، جہاں چارسو جبر، افلاس، عدمِ مساوات، ہوس اور خود غرضی کے خونخوار گِدھ صبح ومسا انسانی زندگی کو نوچنے میں مصروف ہوں، جہاں اونچے محلات کی بنیادوں میں انسان کی ناآسودہ آرزوئیں دفن ہوں، جہاں فٹ پاتھ پر بے بسی کی دھول میں اٹے ہوئے، دق زدہ نچڑے ہوئے زرد خزاؤں جیسے اجاڑ چہرے آنکھوں میں کانٹوں کی طرح چبھتے ہوں، جہاں سراب صفت کھوکھلی ہنسیوں کے پیچھے آنسو سسکتے ہوں، جہاں بھوکے ''غم کھائیں'' اور پیاسے ''اشک پئیں'' جہاں زندگی، بے آب وگیاہ صحرا کی ایسی تھکا دینے والی مسافت کا نام ہو جس میں دل ہانپتے ہوں، ذہن کانپتے ہوں اور قیامت کی دھوپ میں موم کے سائباں سَروں کو ڈھانپتے ہوں، وہاں ہم جیسے بے بساط خواب بھی نہ دیکھیں تو کہاں جائیں؟

ہم نے کہا نا کہ خواب دیکھنا ہماری مجبوری ہے۔ زندگی کے اِس برزخ میں خوابوں کو شعر کرنے کا منصب ہمیں فطرت نے دیا ہے اور ہم مطمئن ہیں کہ ہمارا منصب کیتھارسس (Catharsis) کی ایک مہذب صورت ہے۔ اگر ہم پر اظہار کے دروازے بند ہوتے تو شاید اپنی ذات کے محبس میں گُھٹ کر دم توڑ چکے ہوتے۔ اگر چہ محض اظہار زندگی کی ناآسودگیوں کا حل نہیں ہے، تاہم دلِ ضعیف کی (بقدرِ تاب وتواں) حقیر سی جسارت اور منزل کی طرف ایک اشارہ ضرور ہے۔

''کفِ سحر'' ہمارے جذبہ وفکر کی ایک ادھوری کاوش ہے۔ اِس کا فنی وفکری معیار کیا ہے؟ اِس کا فیصلہ تو صاحبانِ دل ونظر کریں گے۔ جہاں تک ہمارے اطمینان کا تعلق ہے تو ایسا ہر گز نہیں۔ بقول قبلہ سید محسن نقوی شہید اعلی اللہ مقامہٗ (جنھوں نے شاہراہ فن پر ہماری انگلی پکڑ کر ہمیں چلنا سکھایا ہے اور حرف ومعنی کی تاثیر کا شعور بخشا)۔ اطمینان موت کی علامت ہے اور ہم ابھی زندہ ہیں۔ اِس لیے مطمئن ہیں نہ ہونا چاہتے ہیں لیکن جو کچھ لکھ

چکے ہیں، اِس پر نادم بھی نہیں ہیں۔

یہ کتاب جہاں ہمارے ٹوٹے پھوٹے خوابوں، ناآسودہ آرزوؤں، سِسکتے آنسوؤں، سلگتے ارمانوں اور محسوسات کا غیر مکمل مرقع ہے، وہاں ہمارے محسن کے حکم کی تعمیل بھی ہے۔

حیدرؔ گیلانی
ڈھیری پیراں
تحصیل پنڈ دادنخاں ضلع جہلم
0300-9487170
ای میل:kaleem3420@yahoo.com

زرد موسم سے عبث رزقِ نمو مانگتا ہے
میرے دامن میں وہ زر کب ہے جو تُو مانگتا ہے

یہ واقعہ ہے کہ اب گفتگو نہیں اس سے
یہ سانحہ ہے میں اپنی زبان بھول گیا

❁

پیاس کا مضحکہ اڑانے کو
پانیوں سی چمک سراب میں ہے

الحمدللہ

ترے عرفان سے گو دل تہی ہے
مگر تو باعثِ ہر آگہی ہے

بیاں کیسے کروں میں قُرب تیرا
کہ شہ رگ سے بھی تو نزدیک تر ہے

مگر تجھ تک اگر جانا ہو مجھ --- کو
مری رہ میں زمانوں کا سفر ہے

نظر تو، ناظر و منظور تو ہے
بہر جانب سرِ منظر ہے تو ہی

طوافِ رنگ و بُو میں تو ہے شامل
مگر مرکز ہے تو، محور ہے تو ہی

تو حسنِ فکرِ انساں ہے ازل سے
مگر سوچیں تجھے، ممکن نہیں ہے

مکاں کوئی نہیں تیرا --- سنا ہے
سنا ہے، ہر جگہ تو ہی مکیں ہے

تو یکتا ہے و لیکن ایسا یکتا
نِہاں ہر جا پہ تو، ہر جا عیاں ہے

ہے کیسا معجزہ تنہائی تیری
ہر اک ذرّے میں تیرا آستاں ہے

دو عالَم کی بڑی سچّائی تُو ہے
وہ سچائی، جسے کوئی نہ پائے

مگر تسلیم کرنا سب پہ لازم
یقیں بن کر تُو خود دل میں سمائے

اے میرِؐ کاروانِ آدمیّت!!

محمدؐ مصطفیٰؐ محمودؐ احمدؐ!
اے میرِ کاروانِ آدمیّت
ترے محتاج ہیں سارے زمانے
رِضا تیری ہے معیارِ مشیت!

سخی الاسخیاؐء! تیرے اشارے
چھُپے اسرار دل پر کھولتے ہیں!!
ہنر مجھ کو سکھا دے گفتگو --- کا
ترے ہاتھوں پہ پتھر بولتے ہیں

خزاں کی زرد رُت میں میرے آقا!
نگہ تیری ہے مژدۂ بہاراں!!!
ازل سے بے کسوں کی آس تُو ہے
ابد تک تُو امیدِ دل فگاراں

مرا دل تو بڑی بنجر زمیں ہے
اسے رزقِ نمو کی بھیک دے دے
مجھے کر آشنا ذوقِ طلب سے
مجھے بھی آرزو کی بھیک دے دے

تجھے تیرے وسیلے سے ہے چاہا
مری منزل بھی تُو، زادِ سفر بھی
بشر کو ہے شعورِ ذات تجھ سے
تُو آئینہ بھی ہے، آئینہ گر بھی

مرا سَر تیرا سنگِ آستاں ہو
تری خوشبو ہو جس میں وہ نفس دے
کہیں ایسا نہ ہو خود کو گنوا دوں
مری ہستی پہ مجھ کو دسترس دے

تری انگلی کی اِک ہلکی سی جنبش
فلک پر چاند کو دونیم کر دے
اشاروں ہی اشاروں میں مجھے بھی
کوئی نکتہ نیا تعلیم کر دے

سلام

ہزار شکوے مجھے دشتِ کربلا سے ہیں
فرات کا ہے کنارہ، حسینؑ پیاسے ہیں

جو "العطش" بھی نہ کہہ پائیں پیاس کے مارے
اے میرے ساقیٔ کوثرؐ! ترے نواسےؑ ہیں

سجی ہوئی ہے سرِ دشت بارگاہِ حسینؑ
صفیں جمی ہیں، رسولوںؑ کے ہاتھ کاسے ہیں

برہنہ پائی، سفر، خون، اشک، تشنہ لبی
ہمارے دامنِ دل میں بڑے اثاثے ہیں

غمِ حسینؑ کہاں اور کہاں مری آنکھیں
علیؑ کی بیٹیؑ! یہ آنسو تری دعا سے ہیں

سوالِ بیعتِ ظالمؒ کا وہ جواب دیا
حسینؑ! تیرے عدو اب بھی بدحواسے ہیں

جو سوچیے تو اِن اشکوں میں غرق ہوگا یزیدؒ
جو دیکھیے تو یہ قلزم ذرا ذرا سے ہیں

سنیں گی کیا انہیں مردہ سماعتیں حیدرؑ!
فضا میں آج بھی مولاؑ کے استغاثے ہیں

سرگروہِ اولیاءؑ

اے قلندر کبریا!
سرگروہِ اولیاء!

ہے تری زنجیرِ پا
عشقِ شاہِ لا فتیٰ

زینتِ فرقِ عُلا
تاجِ خاکِ کربلا

سیدِ سجادؑ سے
ایسے نسبت ہے تری

اشک ہائے خوں سدا
تیری آنکھوں سے بہیں

مثلِ نہرِ علقمہ
ماتمِ شبیرؑ سے

تیرے سینے میں رہے
ہر گھڑی محشر بپا

تیری اک اک سانس پر

فیض ہے حسنینؑ کا
تو درِ غازیؑ سے لے
دولتِ ذوقِ وفا
تا ابد تیرا نشاں
ہے علَم عباسؑ کا
بابؑ شہرِ علمؐ سے
پڑھ کے عرفاں کا سبق
طے کرے تیرا جنوں
جادۂ اسرارِ حق
تو نے کچھ اس ڈھنگ سے
پی مودّت کی شراب
تیری آنکھوں میں کِھلیں
عشق و مستی کے گلاب
اولیائے ہر --- زماں
تیرے دریوزہ گراں
تیرا سنگِ آستاں
سجدہ گاہِ عاشقاں

تیری خاکِ پا میں ہے
بادشاہوں کا غرور
تیرے جلوؤں کا جلال
شعلگیٔ کوہِ طُور
تیرا دعویٰ ہے کہ تُو
ہے سگِ مشکل کشاؑ
مرتجز شبیرؑ کا
تھا بہ دشتِ کربلا
برسرِ عرش عُلا
مصطفیٰؐ کے پاؤں کی
جوتیوں کے روپ میں
ہمرہِ مُرسلؐ رہا
جس جگہ جلتے تھے پَر
حضرت جبریلؑ کے
تو وہاں بھی کب رُکا؟
اے قلندر کبریا!
سرگروہِ اولیاء!

ے آں رہ کہ قدسیاں را دشوار سخت آید
از فضلِ حق تعالیٰ آساں شد است مارا (سرکار سخی لال شہباز قلندرؒ)

غزلیں

❁

تقسیم کئے سائے تو یہ اجر ملا ہے
پت جھڑ نے گھنے پیڑ کا سَر کاٹ دیا ہے

وہ آنکھ کہ نیزے کی اَنی بن کے چُبھی ہے
یہ دل ہے کہ سینے میں سِپر بن کے رہا ہے

رکنے کو تو اک سنگِ ملامت بھی کافی ہے
چلنا ہو تو کُہسار بھی گردِ کفِ پا ہے

آنسو ہیں کہ دریا ہیں تری تشنہ لبی کے
دھڑکن ہے یہ دل میں کہ تری بزمِ عزا ہے

اٹی تھی کہ بڑھیا کی محبت تھی خریدار؟
یعقوبؑ کا دل سُوت کے بدلے میں بِکا ہے

کب سے اِسے تہذیب کے گِدھ نوچ رہے ہیں
فٹ پاتھ پہ جو زیست کا مردار پڑا ہے

کھل جائے گا فرعونیتِ ظلم پہ --- حیدرؔ!
مظلوم کا آنسو ہے کہ موسیٰؑ کا عصا ہے

✿

داستاں دل کی اُس گلاب میں ہے
جس کا لاشہ مری کتاب میں ہے

حسنِ تعبیر سے جُدا --- جاناں!
اور بہت کچھ "ہمارے" خواب میں ہے

چھین لیتی ہے مجھ سے تابِ سوال
وہ جو تلخی ترے جواب میں ہے

مرگِ انسانیت کا نوحہ کہیں
دل بہت مطمئن عذاب میں ہے

"پارہ پارہ" ہے دھڑکنوں کی دھمک
زندگی دل کی اضطراب میں ہے

دیکھ دریا کی دسترس میں نہیں
گرچہ قیدی ہوا حباب میں ہے

تیرے شیریں سخن پہ حیراں ہوں
شہد کیوں سانپ کے لعاب میں ہے؟

پیاس کا مضحکہ اڑانے --- کو
پانیوں سی چمک سراب میں ہے

وہ ہے آلودۂ ریاء --- حیدرؔ!
یہ گنہ اس کے ہر ثواب میں ہے

سمت در سمت چلے پر کہیں پہنچا نہ گیا
تو وہ منزل ہے کہ جس تک کوئی رستہ نہ گیا

اس کی خوشبو ہی کچھ ایسی تھی کہ شل ہو گیا جسم
گُل کِھلا تھا جو سرِ شاخ وہ توڑا نہ گیا

دھوپ ہی دھوپ بہر سُو تھی، شجر بھی تھے بہت
جانے کیا خوف تھا دل میں کہیں ٹھہرا نہ گیا

خواب در خواب تمنا کا سفر جاری ہے
وائے تقدیر کہ تعبیر کا رونا نہ --- گیا

برسوں پہلے کوئی تحریر لکھی تھی ہم نے
اس پہ خط کھینچنا چاہا تھا پہ کھینچا نہ گیا

جیتے جی زیرِ زمیں دفن ہوئے ہیں ہم لوگ
دوپہر کو بھی کبھی رات کا سایہ نہ گیا

آنکھ بے نور نہ تھی، دل میں اندھیرے تھے بہت
آئینہ سامنے تھا، عکس ہی دیکھا نہ گیا

مجھ کو یہ غم کہ مرے ہاتھ نہیں ہیں میرے
اُن کو شکوہ ہے کہ کہسار تراشا نہ گیا

کہر کی زد میں رہے خال و خدِ حرفِ جنوں
جب تلک نوکِ سِناں تک ترا چہرہ نہ گیا

نذرِ سیلاب ہوئی بستی کی بستی حیدرؔ!
آگ جس سمت لگی تھی وہیں دریا نہ گیا

❁

پیاس اُتری لبِ دریا لکھیں
آؤ ماحول کا نوحہ لکھیں

مصلحت کیش زمانہ ہے بہت
سچ کو سقراط کا پیالہ لکھیں

جو نہ ہو ہم اُسے اپنا سمجھیں
جو ملے اس کو پرایا لکھیں

آج تک دشت کا رونا رویا
اب کے دریاؤں کو پیاسا لکھیں

اپنی چاہت کا وہ لمحہ دے دو
جس کو ہم لوگ زمانہ لکھیں

خود فریبوں سے اٹی دنیا میں
عشق کو آئینہ خانہ لکھیں

وہی ہوتے ہیں اجالوں کے امیں
جو اندھیرے کو اندھیرا لکھیں

مرگِ احساس کے اس دوزخ میں
دیدۂ تر کو اثاثہ لکھیں

دیکھ! فٹ پاتھ پہ نچڑے ہوئے لوگ
زیست کو زیست کا لاشہ لکھیں

آتشِ عشق نہ ہو تو حیدرؔ!
دل کو اک برف کا ٹکڑا لکھیں

✿

دل میں پیکار کی خُو زندہ ہے
پیاس جو بَر لبِ جُو زندہ ہے

مقتلِ عشق کا منظر ہے عجب
مرگئی تیغ، گُلو زندہ ہے

کم نہیں ہے یہ ترے ہجر کا "فیض"
دل میں اک عالمِ ہُو زندہ ہے

چھوڑ شاخوں کی بریدہ بدنی
جڑ میں تو جوشِ نمو زندہ ہے

اور کیا ہو گی شکستِ قاتل
نوکِ نیزہ پہ بھی تُو زندہ ہے

خون آلود اُفق پر حیدرؔ
سَرفروشوں کا لہو زندہ ہے

آج گزرے وقت کی کچھ تلخیاں یاد آ گئیں
اس کو سوچا تو کئی محرومیاں یاد آ گئیں

سِسکیاں بھرنے لگی سینے میں پت جھڑ کی ہَوا
وہ بہاریں، وہ رُتیں، مستانیاں یاد آ گئیں

پھر نظر میں چُبھ رہے ہیں رتجگوں کے ذائقے
ہنستی آنکھوں میں شفق سی سُرخیاں یاد آ گئیں

سرد راتیں، چاندنی، پرچھائیاں، سرگوشیاں
اس کی خوشبو میں بسی پُروائیاں یاد آ گئیں

سوچنے بیٹھے تھے ہم دل کے سفر کی مشکلیں
اور اپنی بے سَروسامانیاں یاد آ گئیں

❁

پھر سرِ بزم تیرے بارے میں
بات کرتا ہوں استعارے میں

کیا خبر کیوں نہیں پھٹا اب تک
آندھیاں بھر گئیں غبارے میں

کاش طوفانِ نوحؑ بن جائے
درز جو پڑ گئی کنارے میں

آس کی سِسکیاں سُنے گا کون
جُز خلاء کچھ نہیں نظارے میں

ڈھونڈیئے وجہِ اضطراب ہے کون؟
زندگی تو نہیں ہے پارے میں

حرفِ شیریں کی تلخیاں مت پوچھ
سانپ ہیں سانپ اِس پٹارے میں

سَرفروشی ہے عشق کی --- تعلیم
یہی سیکھا ہے اِس ادارے میں

تو بھی دیمک زدہ بساکھی ہے
کیا ملے گا ترے سہارے میں؟

قبرِ دل پر ہے اُس کا گھر تعمیر
آرزو کا لہو ہے گارے میں

کاش مجھ پر یہ کھل سکے حیدرؔ!
ہے بہت فائدہ خسارے میں

✿

زمیں پہ رہ کے وہ ایسی اڑان رکھتا ہے
کہ جیسے زیرِ قدم آسمان رکھتا ہے

گُلِ نجات کی خوشبو تو بانٹتا ہے مگر
وہ ایک حشر سدا درمیان رکھتا ہے

نکھارتا ہے فضائیں لہو کے چھینٹوں سے
شفق شفق میں جو اپنا نشان رکھتا ہے

وہ سَر کٹا کے سجائے بہ اَوجِ نوکِ سِناں
غرورِ ذات کا کتنا وہ دھیان رکھتا ہے

زِرہ اُتار کے جا سُوئے رزم گاہِ حیات
اگر وہ تیرِ ستم در کمان رکھتا ہے

اسے نصیب نہیں یک شرارِ شعلۂ دل
جو اپنے زعم میں یہ خاکدان رکھتا ہے

نگاہ کیجئے لوحِ مزار پر --- حیدرؔ
سنائی دے تو یہ پتھر زبان رکھتا ہے

میں نے پایا ہے بہت کچھ دلِ برباد سے بھی
زندگی اب تو گریزاں ہے تری یاد سے بھی

دھوپ بھی سبز رُتیں چاٹ گئی تھی لیکن
باغ ویراں ہوئے دریاؤں کی بیداد سے بھی

حبسِ ماحول بھی ہے میرے سُلگنے کا سبب
پر یہ ورثے میں ملا ہے مجھے اجداد سے بھی

میں تو بچوں کی طرح ضدِ کا بھی حق رکھتا تھا
کیا کہوں، آپ ہیں نالاں مری فریاد سے بھی

میرا احساسِ انا میثمؑ و سلمانؑ کی عطا
فیض اس دل کو ملا بوذرؑ و مقدادؑ سے بھی

کوہکن ہار گیا، تیشۂ دل ٹوٹ گیا
دودھ کی نہر نہ نکلی ترے فرہاد سے بھی

بیٹیاں مرنے لگیں باپ کے گھر میں حیدرؔ!
لوگ کیوں خوف نہ کھائیں زرِ اولاد سے بھی؟

❁
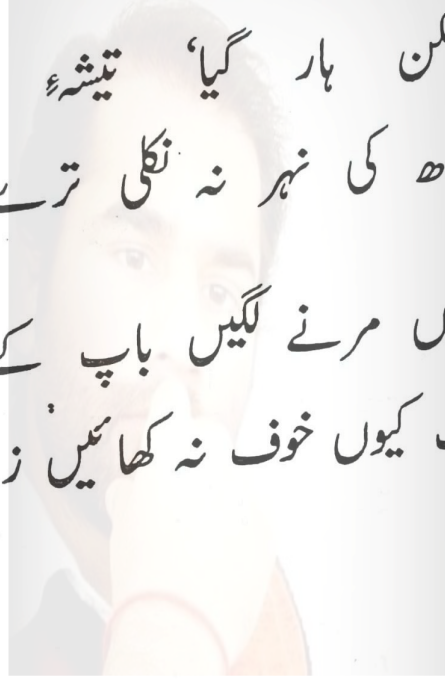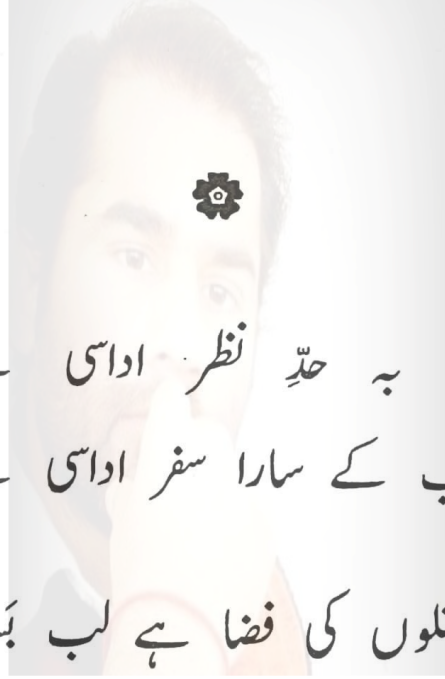
تا بہ حدِّ نظر اداسی ہے
اب کے سارا سفر اداسی ہے

مقتلوں کی فضا ہے لب بَستہ
خون میں تر بہ تر اُداسی ہے

ابرِ احساس کی عطا آنسو
نخلِ دل کا ثمر اُداسی ہے

دل بہ دل نارسائیوں کا عذاب
جاں بہ جاں در بہ در اُداسی ہے

مطمئن ہوں کہ اپنے دامن میں
کچھ نہیں ہے مگر اُداسی ہے

زرد موسم میں جو نمو پائے
وہ خزاں جُو شجر اُداسی ہے
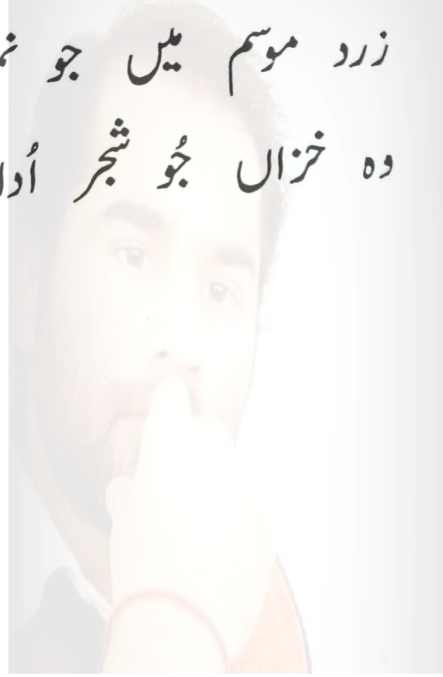
اب تو کرتے ہیں ملامت آئینے
ہم کو پاگل کر دیا تنہائی نے

برف جب جمنے لگی احساس پر
دھوپ تن پر اوڑھ لی سودائی نے

حبس پر نالاں تھا اب جاؤں کہاں
آگ بھڑکا دی تری پُروائی نے

جیت کا اترے نشہ تو سوچنا
تیرا کیا چھوڑا مری پسپائی نے

اے دلِ نادان! تیرے سامنے
سَر جھکایا ہے مری دانائی نے

لکھ دیا حرفِ بقا آفاق پر
تیرے خوں کی سُرخرو رشنائی نے

دیکھ حیدرؔ اپنے خال و خد کو بھی
موردِ الزام کیوں ہیں آئینے

❁

دِل حزیں اُسے پا کر نہال ایسا تھا
جدائیوں کا نشہ بھی وصال ایسا تھا

غموں کی دھوپ میں پگھلا وہ برف کی صورت
ہماری پیاس کا اس کو خیال ایسا تھا

بچھڑ کے اس سے میں زندہ ہوں آج بھی لیکن
یہ سانحہ تو مرے انتقال ایسا تھا

وہ مجھ سے مانگنے آیا تھا ماہ و سال مرے
چھلک پڑیں مری آنکھیں سوال ایسا تھا

قدم جکڑ لیے صحرا کی ریت نے میرے
محبتوں کے سفر میں نِڈھال ایسا تھا

وہ آج بھی مری تنہائیوں پہ ہنستا ہے
اِک انتظار کا لمحہ جو سال ایسا تھا

بدشتِ ذات اداسی کی ریت اُڑتی تھی
تجھے گنوا کے بہر سُو ملال ایسا تھا

بھرے جہاں میں اکیلا ہے آج بھی حیدرؔ
تمہارے بعد سنبھلنا محال ایسا تھا
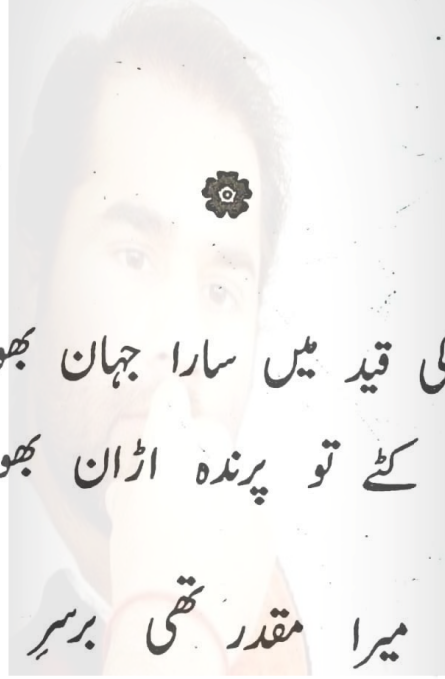
قفس کی قید میں سارا جہان بھول گیا
جو پَر کٹے تو پرندہ اڑان بھول گیا

شکست میرا مقدر تھی برسرِ میداں
کہ میں جو تیر بکف تھا کمان بھول گیا

میں دربدر اِسی باعث رہا ہوں مدت سے
کہ اس کے شہر میں اپنا مکان بھول گیا

یہ واقعہ ہے کہ اب گفتگو نہیں اُس سے
یہ سانحہ ہے میں اپنی زبان بھول گیا

بجا نہیں کہ وہ شکوہ کرے کنارے سے
جو تیرنے کا ہنر درمیان بھول گیا

ترے فقیر کو لُوٹا ہے پھر زمانے نے
پھر ایک بار دلِ خوش گمان بھول گیا

مجھے تو دھوپ کی چادر ہی راس تھی حیدرؔ
میں دشتِ زیست میں ہر سائبان بھول گیا

خود اپنی ذات سے آمادۂ نبرد ہوئے
کہ دل کا اصل اثاثہ ہمارے درد ہوئے

اُنہی کے کھوج میں ٹھہری ہیں دربدر راتیں
غبارِ وقت کے ہاتھوں جو چاند گرد ہوئے

عذابِ ہجر کی نمناک ساعتوں کی قسم
شرارِ جوشِ تمنا بھی اب تو سرد ہوئے

تری تلاش میں نکلے تو راستہ تھا یہی
بدشتِ جانِ حزیں ہم بھی رہ نورد ہوئے

نمو کو چاٹ گیا ہے یہ موسموں کا طلسم
ہری رُتوں میں درختوں کے رنگ زرد ہوئے

ہوَا کا ہاتھ پکڑ کر وہ چل دیئے حیدرؔ
جو نامُراد مسافر سفر کی گرد ہوئے

❁
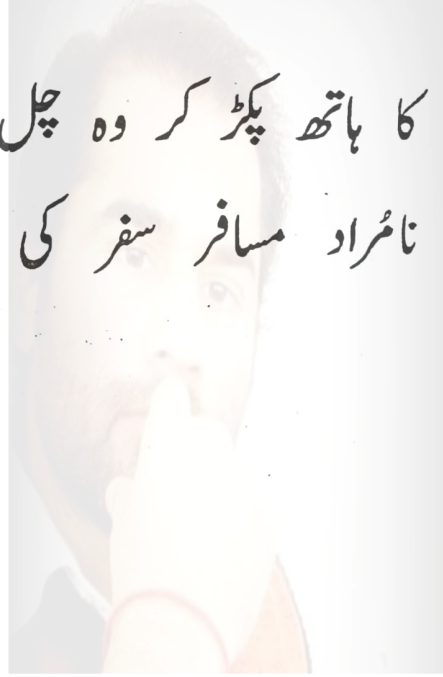
دلوں میں حشر اٹھاتے ہیں روگ منظر کے
بُتوں میں روحیں چُھپی ہیں تو لوگ پتھر کے

کوئی نہیں جو ترا تجھ سے بڑھ کے دُشمن ہو
جیو ضرور مگر اپنے آپ سے ڈر کے

وہ راہ ڈھونڈ کہ منزل کی جو ضمانت ہو
کہاں تلک یونہی گھومے گا گِرد محور کے

میں اپنی ذات میں جھانکوں تو یہ کھلے مجھ پر
وہ کون ہے کہ جو درپے ہُوا مرے سَر کے

یہ اور بات کہ آنکھیں ہی پھوڑ لو حیدرؔ
مگر رہیں گے یہی طَور آئنہ گر کے

✿

اِک آہ بھر لی یا آنسو بہا لئے ہم نے
تری وفاؤں کے صحرا بسا لیے ہم نے

گنوا کے تجھ کو اکیلے تو ہو گئے لیکن
خود اپنے آپ کو دُکھڑے سنا لیے ہم نے

یہ سانحہ بھی ترے شب نگر میں دیکھا تھا
وہ تیرگی تھی کہ ارماں جلا لیے ہم نے

ہمیں جہاں کے اندھیروں کی آبرو تھی عزیز
چراغ اپنے ہی گھر کے بُجھا لیے ہم نے

خزاں کے کرب سے مانوس یوں ہوئے حیدرؔ
کہ زرد پتے لبوں سے لگا لیے ہم نے

❁

عقل کب سنورتی ہے عشق کی جسارت سے
برف جل نہیں سکتی آگ کی حرارت سے

اُس کے ہجر کی تلخی، آنکھ میں اُتر آئی
آئنے کو تکتا ہوں میں بڑی حقارت سے

آپ تو نگاہوں سے نُور چھین لیتے -- ہیں
کیا ملے گا لوگوں کو آپ کی زیارت سے

کاش میرے جیتے جی ایسا وقت بھی آئے
جب ضمیر نادم ہو سوچ کی جسارت سے

دھو سکا نہ وہ اب تک روح کی نجاست کو
اور مطمئن ٹھہرا جسم کی طہارت سے

وہ ہے ہاڑ سورج اس کو مت دکھا آنکھیں
کیا تجھے عدوات ہے اپنی ہی بصارت سے؟

آج پھر نگاہوں کا زاویہ غلط ٹھہرا
دل بہت ہی نالاں ہے آنکھ کی شرارت سے

دھوپ کو چھپاؤ مت سائے کے غلافوں میں
پھول کو جلا دو گے شبنمی حرارت سے

گاؤں بھر کے لوگ اس کو معتبر سمجھتے ہیں
جُھوٹ بولتا ہے وہ پَر بڑی مہارت سے

بوند بوند لمحوں نے روشنائی پھیلا دی
حرف چِھن گئے حیدرؔ! وقت کی عبارت سے

٭

سفر تمام ہُوا اور گھر نہیں آیا
کہ میں گیا ہوں تو پھر لَوٹ کر نہیں آیا

شبوں کو اوڑھ کے سونے سے کیا مِلا آخر
کسی اُفق سے پیامِ سحر نہیں آیا

جو تیرے جبر کی بستی پہ برق بن کے گرے
مری دُعا میں ابھی وہ اثر نہیں آیا

انا کا خون کروں، اپنی آرزو کے لیے
تمام عمر مجھے یہ ہنر نہیں -- آیا

ہمارے ہاتھ کٹے ہیں مگر وفا کا عَلَم
بُلند اور ہُوا، خاک پر نہیں آیا

اُسی کو میں نے زمانہ بنا لیا -- جاناں!
جو لمحہ زیست میں بارِ دِگر نہیں آیا

سیاہ بختی تو دیکھو کہ آئنوں میں بھی
مرا ہی عکس مُجھی کو نظر نہیں آیا

میں سوچتا ہوں اس نذر کیا کروں حیدرؔ!
ہتھیلیوں پہ ابھی میرا سَر نہیں آیا
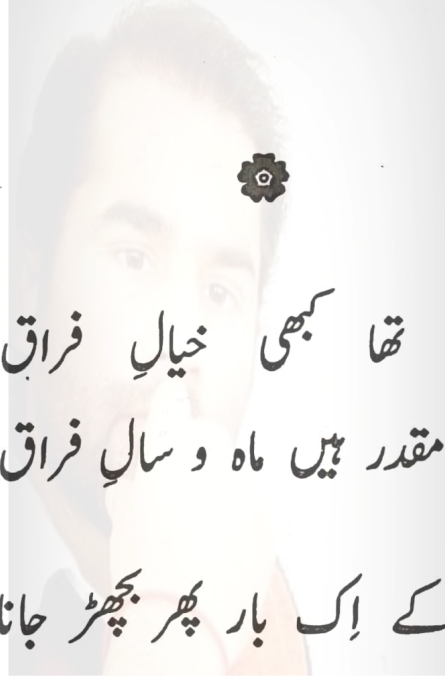
اجنبی تھا کبھی خیالِ فراق
اب مقدر ہیں ماہ و سالِ فراق

مِل کے اِک بار پھر بچھڑ جانا
بُجھتے جاتے ہیں خدّ و خالِ فراق

زندگی تو گزر رہی ہے مگر
کیا خبر ہو گا کیا مآلِ -- فراق؟

وصل کا حسن بھی بجا ہے مگر
تُو نے دیکھا نہیں جمالِ فراق

پوچھ اس دل سے ہجر کی لذّت
جس نے پایا زرِ ملالِ فراق

دل کا کشکول گو شکستہ تھا
پھر بھی اس سے کیا سوالِ فراق

وہ جو ملتا نہ تھا بوقتِ وصال
اب بچھڑتا نہیں بحالِ فراق

اس کو حاصل کئے بناء حیدرؔ!
کاش دیکھے نہ تُو زوالِ فراق

لمحہ لمحہ عذاب کا ڈر ہے
"زندگانی" ازل سے دُوبھر ہے

خشک ٹہنی پہ زرد خاموشی
غور کر یہ خزاں کا زیور ہے

دل کی پسپائی پر نہ حیراں ہو
چار سُو حسرتوں کا لشکر ہے

مصلحت اور ہے توکّل اور
عقل کب عشق کے برابر ہے

آرزو کی لحد مرا احساس
دلِ مجروح گور در بر ہے

پگھلی جاتی ہیں موم سی سوچیں
دھوپ مجبوریوں کی سَر پر ہے

بات تو نِسبتوں کی ہے ورنہ
حجرِ اسُود بھی ایک پتھر ہے

اپنی قسمت سے کیا گلہ حیدرؔ!
میری گردن ہے، میرا خنجر ہے

❁
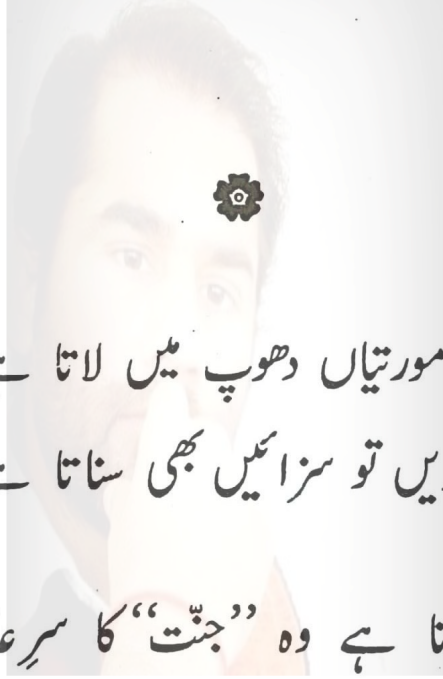
موم کی مورتیاں دھوپ میں لاتا ہے وہی
نقش بگڑیں تو سزائیں بھی سناتا ہے وہی

وعدہ کرتا ہے وہ ''جنّت'' کا سرِعام مگر
آگ سینے میں ''جہنّم'' کی جلاتا ہے وہی

جُرم مجبور کی قسمت میں لکھا ہے کِس نے؟
بھوک بوتا ہے جو مجبوری اُگاتا ہے وہی

نوحہ کہتا ہے مری تیرہ نصیبی کا -- مگر
میری شمعوں کے لیے آندھیاں لاتا ہے وہی

میری تعبیر کے رستے میں وہی حائل ہے
خواب بُننے کا سلیقہ بھی سکھاتا ہے وہی

پہلے لکھتا ہے مقدر میں قفس بعدِ قفس
پھر اسیروں کے پَر و بال اُگاتا ہے وہی

ہنس رہا ہے جو مرے حالِ حزیں پر حیدرؔ!
سچ تو یہ ہے کہ مجھے خون رلاتا ہے وہی

❁
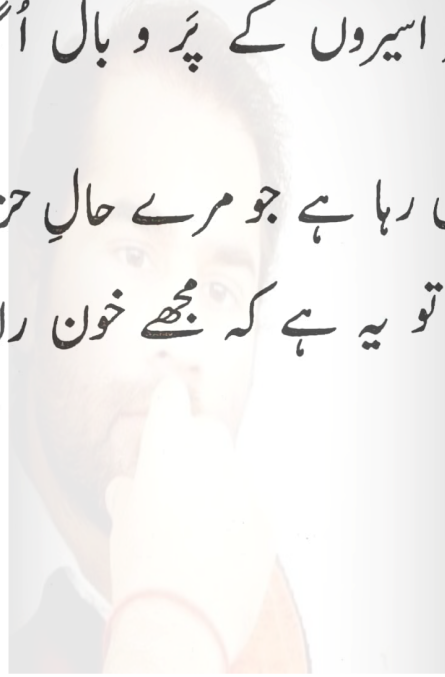
حاصلِ آرزو نہیں ملتا
وہ ہمیں روبرو نہیں ملتا

میری شہ رگ پہ جس کا خنجر ہے
میرا اس سے لہو نہیں ملتا

خود سے بچھڑے ہوئے ہیں ہم جاناں!
کیا گِلہ ہو جو تُو نہیں -- ملتا

زرد پتوں پہ سبز پینٹ نہ کر
یوں تو ذوقِ نمو نہیں ملتا

جس کے چہرے پہ تیری آنکھیں ہوں
اس کو رستہ "دکھو" نہیں ملتا

اب بھی زوروں پہ ہے فرات مگر
پانی بہرِ وضو نہیں ملتا

آئنہ دیکھ لے کبھی حیدرؔ!
جس کو اپنا عدو نہیں ملتا

❁

جمالِ حق نُما کی کیا خبر ہو؟
تمہیں حسنِ وفا کی کیا خبر ہو؟

جو ہو نا آشنائے رسمِ سجدہ
اسے ذوقِ انا کی کیا خبر ہو؟

وہ دل جو بے نیازِ آرزو ہو
اسے دستِ دُعا کی کیا خبر ہو؟

تہی دامن کی وسعت تک نہ جانوں
تری حدِّ عطا کی کیا خبر ہو؟

نہیں جن کو شعورِ آدمیّت!
انہیں میرے خدا کی کیا خبر ہو؟

تہہِ آبِ رواں بہنا ہے مجھ کو
مزاجِ ناخدا کی کیا خبر ہو؟

یہ صحرائے فراقِ ذات ٹھہرا
سفر کی انتہا کی کیا خبر ہو؟
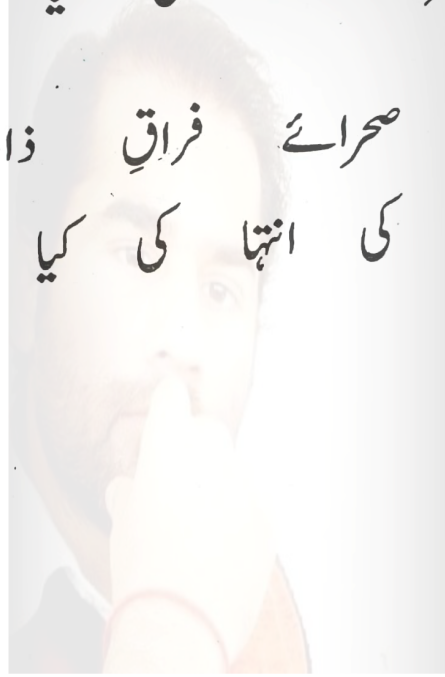
راحت میں بھی پائے غم
سَر میں ہے سودائے غم

سبز رُتوں میں مُرجھائے
دل کو یوں راس آئے غم

ہر سُو پھیل رہی ہے دھوپ
سَر پر تان ردائے غم

دل کی راحت، اپنے دکھ
اپنی موت، پرائے غم

تشنہ لبی فریاد کرے
ابرِ کرم برسائے غم

حدِّ نظر تک دھوپ اور پیاس
ہستی ہے صحرائے غم

ہر سُورج بے فیض ہے جب
سینے میں بُجھ جائے -- غم

ضبط کے موسم میں ہم نے
اشک پیئے اور کھائے غم

پھر تاریک ہُوا ہے دل
حیدرؔ! پھر گہنائے غم

سورج ڈھلا تو رات کے ہمرا رہے چراغ
شامِ وصال چھائی، جلے یاد کے چراغ

آخر اُلجھ پڑی ہیں ہواؤں کی وحشتیں
ہم بھی تو رہ گزر پہ ہیں جلتے ہوئے چراغ

مقتل سے تابہ اوجِ فلک روشنی -- ہوئی
کچھ اس ادا سے نوکِ سناں پر سجے چراغ

ہر آنکھ میں ہے عکسِ وفا تیرے نام سے
ہر دل کے طاق میں ہیں فروزاں ترے چراغ

اُگنے لگی ہے اب کے لہو رنگ روشنی
لگتا ہے اس زمین میں بوئے گئے چراغ

اُس سمت لاکھوں آندھیاں دم توڑنے لگیں
اِس سمت دیکھ صرف ''بہتّر'' جلے چراغ

حیدرؔ! میں دوستوں کی ''عنایات'' کیا کہوں
چھانے لگی جو رات تو بُجھنے لگے چراغ

✿
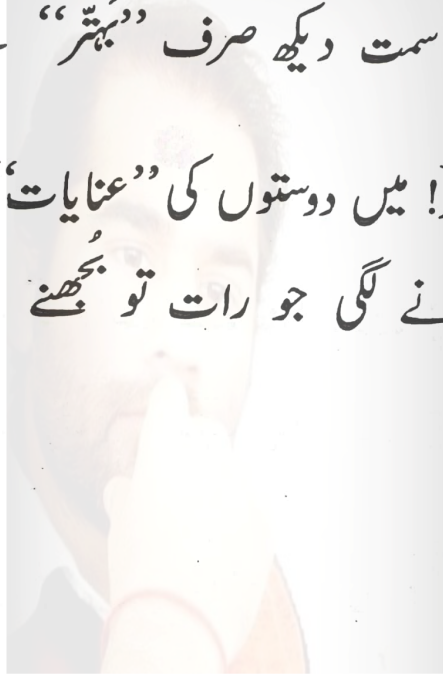
عجیب رنگ میں مہکی فضا سرِ مقتل
گلاب شاخِ سِناں پر کِھلا سرِ مقتل

جبینِ عزم پہ لَو دے وہ ایک حرفِ یقیں
جو لوحِ وقت پہ تو نے لکھا سرِ مقتل

تو گرم ریت پہ سویا کچھ اِس وقار کے ساتھ
مرا ضمیر جگا کر رہا -- سرِ مقتل

وہ سُرخروئے وفا ہے بے آسروں کا عصا
جو آج دست بریدہ ہوا سرِ مقتل

وہ جس کی شرم میں سُورج کی آنکھ بُجھ جائے
اُتر گئی اُسی سَر سے ردا -- سرِ مقتل

سبھی غیور گریزاں تھے زندگانی سے
یہ کس نے موت کی مانگی دُعا سرِ مقتل؟

عجب سخی تھا شہ رگ کے خون سے جس نے
جلایا ذوقِ انا کا دیا -- سرِ مقتل

حصارِ نور میں آئی ابد کی سرحد بھی
کچھ اِس ادا سے وہ سورج ڈھلا سرِ مقتل

لبوں پہ نوحے تو دامن میں اشک تھے حیدرؔ!
اداس، دل کی طرح تھی ہوا سرِ مقتل

❁

خود فریبی کی حدوں میں کب سمائے آئنہ
دیکھنے والوں کو اکثر خوں رُلائے آئنہ

خال و خد بگڑے تھے لیکن ایسی وحشت تو نہ تھی
اب یہ چہرہ دیکھ لے تو کانپ جائے آئنہ

ہر زمانے میں حوالہ ہے مری پہچان کا
وہ جو پتھر کی زمیں پر بھی اگائے آئنہ

خوف سے یا بے حسی سے میچ لیں آنکھیں مگر
یہ نہیں سوچا کہ آخر کیوں ڈرائے آئنہ

جبر کی دوپہر میں چلّا رہی ہے زندگی
آئنہ سازوں کو بھی کوئی دکھائے آئنہ

اپنی آنکھیں پھوڑنے والوں کو حیدرؔ! کیا خبر
چُھپ نہیں سکتی اندھیروں میں ضیائے آئنہ
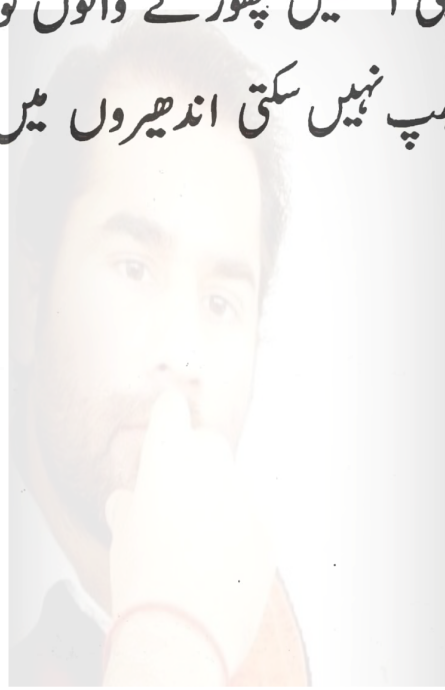
✿

گُلِ ملال کی مہکار بام و در میں ہے
ازل سے ایک اُداسی ہمارے گھر میں ہے

نظر سے رات کا پردہ ہٹے تو میں بھی پڑھوں
جو روشنی کا سندیسہ "کفِ سحر" میں ہے

بجا کہ راکھ بھی اب خاکداں میں سرد ہوئی
مگر وہ آگ جو اَب بھی دلِ شرر میں ہے

ہر ایک شخص کو چاہوں ترے حوالے سے
کہ تیرے عشق کا سودا جو اپنے سَر میں ہے

جلی بُجھی ہوئی سوچوں کی اِک لکیر ہوں میں
یہ فاصلہ رہِ ہستی پہ خیر و شر میں ہے

جو دشمنوں کی کماں سے چلے وہ تیر بجا
مگر جو زخم نہاں دامنِ سپر میں ہے

بصد خلوص تجھے کھو دیا ہے ہم نے مگر
دلِ فقیر کہ اب بھی ترے اثر میں ہے

اے میرے پردہ نشیں تیرا منتظر ٹھہرا
اُداسیوں کا جو موسم نظر نظر میں ہے

کٹے تنے سے اُگی شاخ اور کُھلا حیدرؔ!
کہ سَر کٹا کے بھی جوشِ نمو شجر میں ہے

✿

خواب منظر نہ ہوا

نہ ہُوا -- پر نہ ہوا

برق بے آس گئی

شکر ہے گھر نہ ہوا

آنکھ روئی نہ -- مگر

دل بھی پتھر نہ ہوا

غم کا اِک لمحہ بھی

وقفِ ساغر نہ ہوا

دل بھی پتھر ہی -- بنا
آئینہ گر نہ ہوا

خود کو پا لینے -- کا
مرحلہ سَر نہ ہوا

ہم میں بیدار کبھی
عزمِ بوذرؓ نہ ہوا

بے نیازی نہ ملی
دل سمندر نہ ہوا

سوچ کا زرد شجر
بار آور نہ ہوا

تجھ کو منزل نہ ملی
درد رہبر نہ ہوا

حشر اُٹھے حیدرؔ!
شورِ محشر نہ ہوا

❁

حبَس کی قید میں اِک موجِ صبا یاد رہی
خود کو ہم بھول گئے، تیری وفا یاد رہی

شبِ ہجراں ترے خوابیدہ چراغوں کی قسم
اُس کی جانب سے جو آئی تھی، ہوا یاد رہی

یہ حقیقت ہے کبھی وا نہ ہُوا بابِ قبول
یہ بھی سچ ہے کہ سدا ایک دُعا یاد رہی

ایک ارماں کہ جو قیدی تھا بہ زندانِ جفا
اِک تمنا کہ تھی زنجیر بپا، یاد رہی

اس کی پلکوں پہ سسکتے ہوئے میرے آنسو
گلِ عارض پہ وہ شبنم کی ادا یاد رہی

دلِ درویش پہ حیدرؔ یہ کرم ہے اس کا
خواہشیں بھول گئیں، اپنی انا یاد رہی

❁

کون سمجھے ہے کہ در پردۂ اسرار ہیں ہم
محوِ گفتار ہے تُو حاصلِ گفتار ہیں ہم

طاقِ افکار پہ خورشید سجانے والے!
اب تلک سوز گزیدانِ شبِ تار ہیں ہم

جیت بھی اپنی ہی تقدیر ہے، پسپائی بھی
اپنی ہی ذات سے اب برسرِ پیکار ہیں ہم

آنکھ سے جراتِ گفتار ہمی نے چھینی
سرِنگوں ٹھہرے ہیں ہم، سر پہ گراں بار ہیں ہم

جس نے آفاق کو بخشی ہے لہو رنگ شفق
اس کی چوکھٹ سے اُجالوں کے طلب گار ہیں ہم

خود سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں اپنا حیدرؔ!
رہرِو شوق ہیں ہم، راہ کی دیوار ہیں ہم

✿

جب بھی کی تیرے خدّوخال کی بات
چل پڑی حسنِ ذوالجلال کی بات

میرا دل سرحدِ کمال پہ ہے
ذہن سوچے نہ اب زوال کی بات

ایک گزرے ہوئے سمے کے سِوا
کوئی فردا نہ کوئی حال کی بات

کچھ نہیں تھا بجز خیال مرا
ظلم ڈھانے لگی خیال کی بات

تیری چاہت میں ساتھ ساتھ چلے
بزمِ خوش رنگ اور ملال کی بات

حشر اس کے قیامتیں اس کی
کیا ڈرائے مجھے مآل کی بات

زرد موسم کا اِک غمیں لمحہ
کہہ گیا رو کے ماہ و سال کی بات

پہلے گزرے فراقِ ذات سے ہم
پھر چلی ہے ترے وصال کی بات

خوں اُگلنے لگی شفق -- حیدرؔ!
سُن سکو تو سنو ہلال کی بات

❁
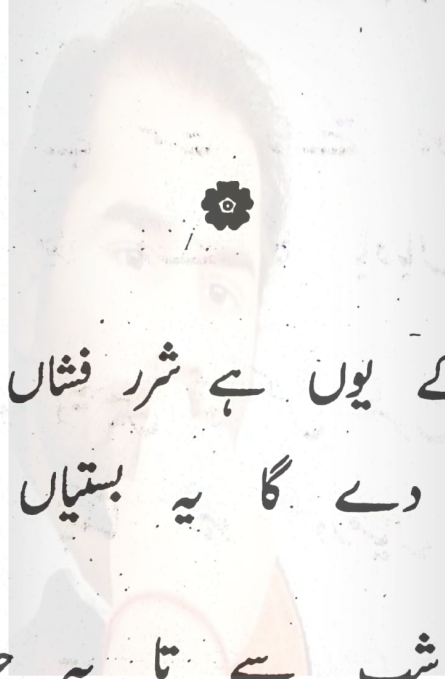
اب کے یوں ہے شرر فشاں سورج
پھونک دے گا یہ بستیاں سورج

دامنِ شب سے تا بہ حدِّ سحر
ہم نے ڈھونڈا کہاں کہاں -- سورج

زندگی اِن کے درمیان -- کٹی
دھوپ، بادل، ہَوا، دھواں، سورج

"روشنی" کے نگر میں یوں بھی ہوا
تیر کِرنیں لگیں، کماں سورج

رات پگھلے گی برف کی مانند
جب بھی چمکا سرِ سِناں سورج

خون جمنے لگا تو یاد آیا
"یخ کے صحرا کا سائباں سورج"

کتنے بے سمت راستے ہوں گے
جب جلا دے گا بادباں سورج

تجھ کو دیکھیں تو کس طرح دیکھیں
جب چمکتا ہو درمیاں سورج

آئنہ تو چٹخ چکا حیدرؔ!
اب سنبھالے نہ کِرچیاں سورج

جو کر سکو تو شمار کرنا عذاب میرے
خزاں کی زد پر سدا رہے ہیں گلاب میرے

سحر کی اُمید راکھ ہو جائے گی تمہاری
مجھی سے مانگو بُجھے ہوئے آفتاب میرے

مسکراتے دنوں کی تعبیر تیری دولت ہے
اداس راتوں کی نیند میری ہے، خواب میرے

میں خود سے ہارا تو جیت جاؤں گا دل کی بازی
مجھی سے ہوں گے سوال میرے، جواب میرے

یہ سوچ لینا، مجھی سے قائم بھرم ہے تیرا
کہ تیرے چہرے پہ جچ گئے ہیں نقاب میرے

مزاجِ شب سے مصالحت کا نہیں ہوں قائل
گہن گزیدہ جبھی تو ہیں ماہتاب میرے

شعورِ تشنہ لبی بھی حیدرؔ! عطا ہو مجھ کو
کہ دشت میرے ہیں، پیاس میری، سراب میرے
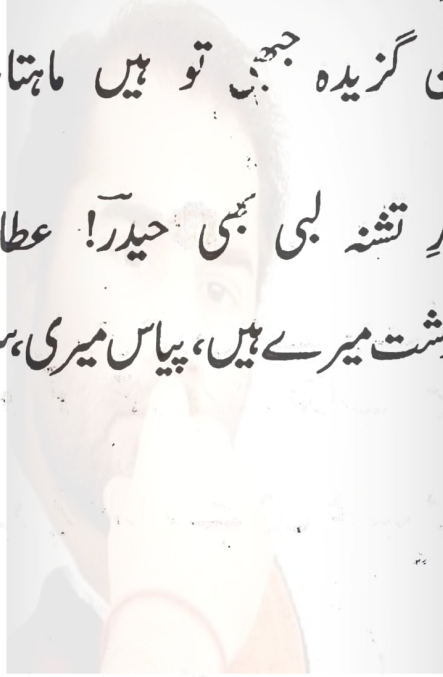
دیر تک آنکھ سے بہے آنسو
آج کتنے ملول تھے آنسو

اب نہ کہنا مجھے تہی داماں!
اب تو دامن پہ سج گئے آنسو

تیرا مقروض ہے یہ دیدۂ تر!
میری پلکوں پہ ہیں ترے آنسو

کیوں گریزاں ہوا ہے "ابرِ کرم"؟
موسمِ کرب! کیوں تھمے آنسو؟

کربلائے دلِ عزاداراں
آؤ مانگیں فرات سے آنسو

ہائے قسمت کہ زخم سِلنے لگے
وائے تقدیر کیا ہوئے آنسو؟

زندگی کی گپھاؤں میں اے دوست!
مثلِ خورشید جل اٹھے آنسو

صبحِ ایقان کی شفق -- ٹھہرے
تیری آنکھوں میں خون کے آنسو

بس یہی کچھ تھا زادِ راہِ وفا
دشت کی دھوپ، آبلے، آنسو

رو رہا ہوں میں اس لیے حیدرؔ!
آنکھ ویراں ہے کھو گئے آنسو

یہ سنگِ روح جو رہ سے ہٹے تو بات بنے
بہ رزم گاہِ وفا سَر کٹے تو بات بنے

فراتِ خون بہ صحرائے تشنگی بکھرے
ہر ایک بوند لہو کی بٹے تو بات بنے

بُنی گئی ہے جو سُکھ کی قبا مری خاطر
بہ خار زارِ حقائق پھٹے تو بات بنے

وہ آفتاب فضاؤں میں روشنی چھڑکے
شبوں کی گرد نظر سے چھٹے تو بات بنے

زمانہ برسرِ پیکار ہے مگر -- حیدرؔ!
خود اپنی ذات مقابل ڈٹے تو بات بنے

قصیدہ خوانئ قاتل نہ کیجے
نمک پاشی بہ زخمِ دل نہ کیجے

بھلی ہیں دُوریاں ان قربتوں سے
ہمیں کھونا ہے تو حاصل نہ کیجے

وہ خود ٹھہرا ہے طوفانوں کی زد میں
خُدا را منّتِ ساحل نہ کیجے

کہو اس عہد کے کوزہ گروں سے
کہ یوں توہینِ آب و گِل نہ کیجے

توکّل کا اگر دعویٰ ہے حیدرؔ!
تو پھر پیمائشِ منزل نہ کیجے

❁

ازل سے وجہِ سفر، ذوقِ جستجو تُو ہے
یہ اور بات کہ ہر سمت روبرو تُو ہے

دلوں میں دشت بسائے ہے تیری تشنہ لبی
پلک پلک پہ رواں غم کی آب جُو تُو ہے

نگہ تھی محوِ تماشہ زمیں سے تا بہ فلک
ہر آن دل سے یہ نکلی صدا کہ "تُو تُو" ہے

تُو زادِ راہِ مسافر بھی، راہ بَر بھی تُو
متاعِ منزل و منزل کی آرزو تُو ہے

یہ راز کون بتائے خزاں گزیداں کو
رگِ شجر میں سدا گردشِ نمو تُو ہے

جلالِ عزم، جمالِ وفا، انا کا شعور
ہر ایک روپ میں ہستی کی آبرو تُو ہے

اُفُق کو مژدۂ خورشید ہے تری بخشش
شفق نما سرِ مقتل لہو لہو تُو ہے

نشیبِ ذات سے دیکھا یہ معجزہ تیرا
فرازِ نوکِ سناں پر بھی سُرخرو تُو ہے

✿

اُتارے وقت نے کیا کیا عذاب چہرے پر
خزاں کا ڈر ہے مسلّط گلاب چہرے پر

زبان کاٹ کے میری سوال کرتے ہو؟
جو پڑھ سکو تو لکھے ہیں جواب چہرے پر

بس ایک ڈر ہے کہ تعبیر ہی نہ چھن جائے
اسی لیے نہیں رکھتا میں خواب چہرے پر

نظر پہ کُھلنے لگا ہے ہری رُتوں کا بھرم
خزاں نے اوڑھ رکھی ہے نقاب چہرے پر

ہمارے پاس بچا کیا ہے روشنی کے سوا
غبارِ شب نہ ملو آفتاب چہرے پر

وہ خال و خد ہے کہ محسنؔ کی ہے غزل حیدرؔ!
اگر ہو بس میں تو لکھ دوں کتاب چہرے پر

✿
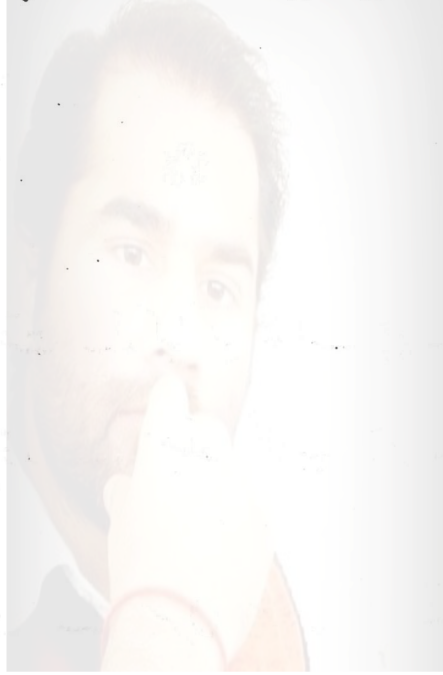
چاند، سورج، لفظ، خوشبو، پھول، پتھر بے صدا
میری نظروں میں ہیں اب کے سارے منظر بے صدا

منزلیں کھو جائیں گی لب بستگی کی گرد میں
عمر بھر چلتے رہو گے گردِ محور بے صدا

غور سے دیکھیں تو پتھر بھی ہیں محوِ گفتگو
ورنہ اس دنیا میں ہیں انساں بھی اکثر بے صدا

جاگتے احساس کی ہر سانس میں سَو زلزلے
بے حسی چھا جائے تو ہے شورِ محشر بے صدا

میرے اشکوں میں نہاں اِک عہد کی تاریخ ہے
ہے بظاہر دیکھنے میں دیدۂ تر بے صدا

منزلوں کا خواب بھی ممکن نہیں حیدرؔ! وہاں
راہرو بہرے ہوں جس جا اور راہبر بے صدا

❁
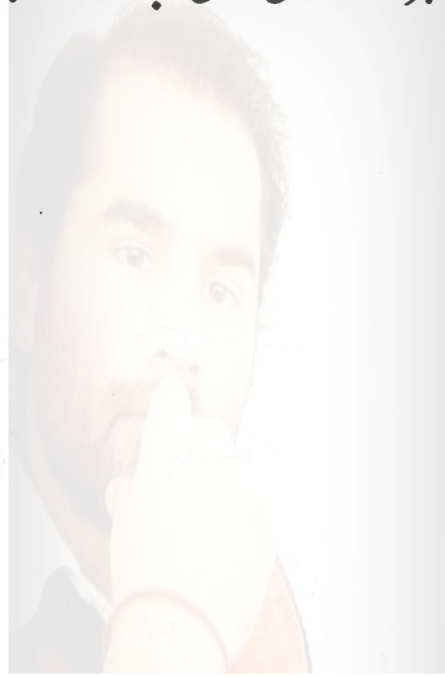
کتنا مشکل ہے آرزو کا سفر
غم کی راہیں ہیں، درد کے پتھر

جسم شَل ہو گیا تھپیڑوں سے
زندگی ہے اداسیوں کا بھنور

دشت میں پانیوں کی کثرت ہو
پھر بھی جلتی ہو پیاس ہونٹوں پر

چار سُو دھوپ کی تمازت ہو
سَر سے چِھن جائے اس سے چادر

بے گھری میں خیام جل جائیں
اِس سے بڑھ کے کوئی نہیں محشر

اس کو ایماں سمجھ لیا اپنا
بس یہی ہے مِرا کرم مجھ پر

آگہی کا ہے کرب آنکھوں میں
جھانک بیٹھے تھے تا بہ پس منظر

✿
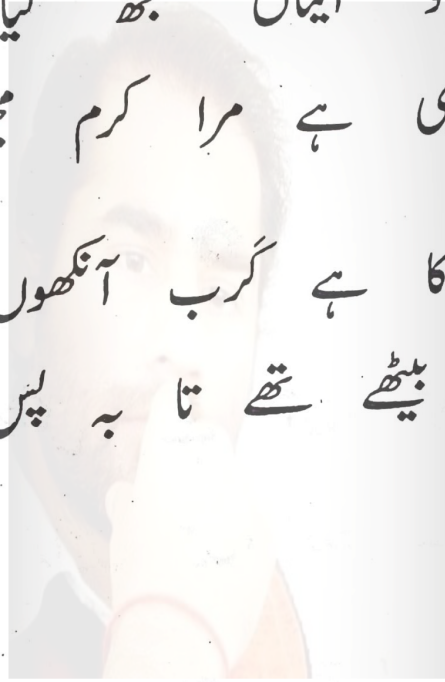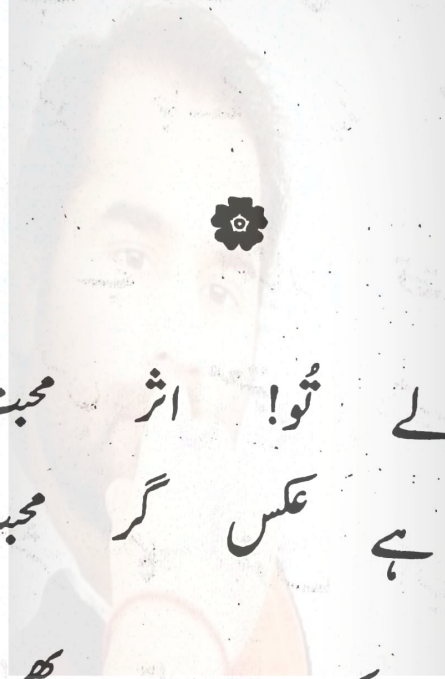
دیکھ لے تُو! اثر محبت کا
اشک ہے عکس گر محبت کا

چشمِ تر کی اداسیاں بھی پڑھ
کب رُکا ہے سفر محبت کا

اِس میں بستے ہیں ہجر کے آسیب
دل کہ ٹھہرا کھنڈر محبت کا

بیتے لمحوں کی دُھول منہ پہ مَلے
وقت ہے نوحہ گر محبت کا

دل کا کشکول لے کے آیا ہوں
ڈال دے اِس میں زر محبت کا

اب تجھے بھولنے کی خواہش ہے
کیا کِیا جائے پَر محبت کا

زیست بے اعتبار قصّہ ہے
لفظ بس معتبر محبت کا

روزِ محشر کا خوف کیا حیدرؔ!
دل میں رہتا ہے ڈر محبت کا

✿

دنیا کو کیا خبر کہ میں کس امتحاں میں ہوں
کاغذ کی ایک ناؤ ہوں آبِ رواں میں ہوں

ارمان بن کے تُو مرے حرفِ دُعا میں ہے
میں آرزو ہوں اور تری آہ و فغاں میں ہوں

منزل کی جستجو بھی تو اعزاز ہے مرا
یہ کم نہیں کہ گردِ رہِ کارواں میں ہوں

بس اِک نگاہ، تیری ہواؤں کی خبر ہو
بُجھتا ہُوا شرر ہوں، ترے خاکداں میں ہوں

تو سرحدِ حیات سے اس پار ہے مگر
میں تو اسیر خانۂ زنجیرِ جاں میں ہوں

میرا ہی عکس ہے تری اُجڑی نگاہ میں
تو لب تو کھول میں ترے حسنِ بیاں میں ہوں

دیوار و در پہ واہموں کے سائے جم گئے
سیلاب کی رُتیں ہیں اور کچے مکاں میں ہوں
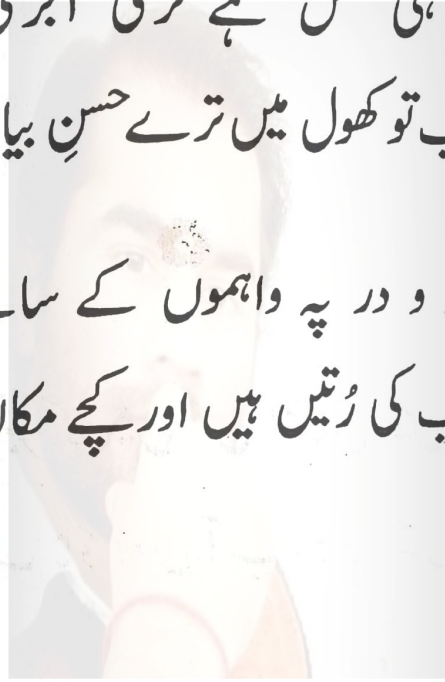
خود اپنی ذات سے جب ربطِ ذات کٹ جائے
تو گویا آنکھ سے کُل کائنات کٹ جائے

تمہارے شہر کی یہ رسم خوں رُلاتی ہے
عَلَم وفا کا اُٹھائیں تو ہات کٹ جائے

وہ خود فریب ہے اِتنا کہ عہدِ شب خوں میں
ہے محوِ خواب کہ ایسے ہی رات کٹ جائے

میں حرفِ دل تو سناؤں اُسے مگر کیسے؟
جبِ اِختتام سے پہلے ہی بات کٹ جائے

ہماری تِشنہ لبی کا بھی کوئی درماں ہو
کہ سَر ہی برلبِ نہرِ فرات کٹ جائے

نمو کو چاٹنے لگتی ہے جب خِزاں حیدرؔ!
برہنہ سَر ہوں شجر، پات پات کٹ جائے

دیمک زدہ بساکھیوں کا آسرا نہ دے
تجھ سے بچھڑ کے خوش رہوں یہ بددُعا نہ دے

دامانِ عُمر میں کسی سُورج کی بھیک ڈال
قاتل ہَوا کے شہر میں بُجھتا دیا نہ دے

ہنسنا گنہ نہیں مگر اتنا رہے خیال
تیری ہنسی کی ضرب کسی کو رُلا نہ دے

سینے میں دفن ہے کسی ارماں کی زندہ لاش
اِس قبر کے لئے کوئی کتبہ نیا نہ دے

دم توڑنے لگے ہیں شرر خاکدان میں
ڈرتا ہوں اِن کو پھر کوئی جھونکا جگا نہ دے

حیدرؔ! دلِ فقیر کی خواہش عجیب ہے
جب رو رہے ہوں کوئی ہمیں حوصلہ نہ دے

❁

گزر آیا ہے تُو کِن راستوں سے
بہت حیراں ہوں تیرے حوصلوں سے

ہنر سیکھا ہے جب سے ڈوبنے کا
عداوت سی رہی ہے ساحلوں سے

حیا کے پیرہن پہناؤ اِن کو
کہاں چھپتے ہیں پیکر آنچلوں سے

تری موجِ تبسّم کو خبر کیا
کہ مجھ کو کیا ملا ان آنسوؤں سے

ترے زنداں میں آخر بات کیا ہے
یہ دل ڈرتا ہے کیوں آزادیوں سے

ازل سے ہے مآلِ جبر پستی
سِناں نیچے ہی رہتی ہے سَروں سے

کہو معبودِ برحق اس کو حیدرؔ!
جو محوِ گفتگو ہے پتھروں سے

✿

جبینِ خاک پہ لَو دے رہا ہے خُوں تیرا
حروفِ نور سے میں تذکرہ بنُوں تیرا

تری وفا کے صِلے میں مِلے فرازِ صلیب
مزا تو جب ہے قصیدہ میں پھر پڑھوں تیرا

تجھے جھکے ہیں سدا تیرے دشمنوں کے ضمیر
مری تو بات الگ ہے کہ میں تو ہُوں تیرا

مجھے وہ پیاس عطا کر کہ پانیوں پہ ہنسے
وہ ہاتھ بخش کہ پرچم اٹھا سکوں تیرا

میں روز سنتا ہوں فطرت کی مرثیہ خوانی
اُفُق پہ صبح و مسا بولتا ہے خوں -- تیرا

ہمیشہ دل کی طرح زندگی کرو حیدرؔ!!
کہ اضطراب میں رکھا گیا سُکوں تیرا!!
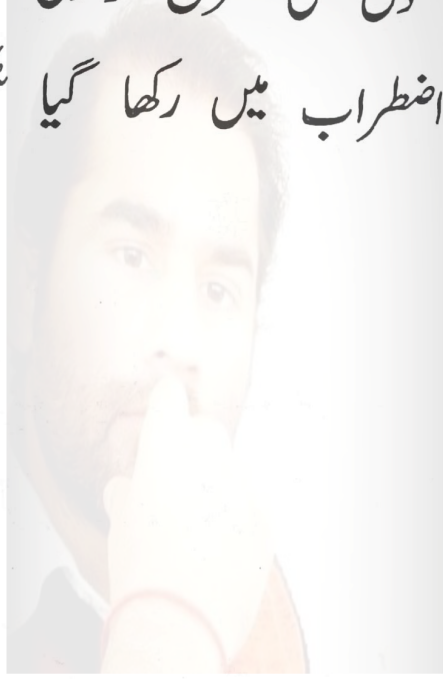
زرد موسم سے عبث رزقِ نمو مانگتا ہے
میرے دامن میں وہ زرکب ہے جو تُو مانگتا ہے

تیرے کشکول میں سکّوں کی کھنک سُن کے کُھلا
تجھ سے کیوں عہدِ وفا تیرا عدو مانگتا ہے

اُس طرف مجھ کو یہ دعویٰ ہے کہ حُب دار ہوں میں
اِس طرف زخمِ جگر اذنِ رفو مانگتا ہے

کس طرح مانوں ترے درسِ مساوات کو مَیں
تو جو در پردہ تمیزِ من و تُو -- مانگتا ہے

فکرِ نمرود! کبھی عزمِ براہیمؑ سے پوچھ
عشق تو آگ میں جل مرنے کی خُو مانگتا ہے

جب کبھی سر کو جھکاتا ہوں بنامِ شبیرؑ
وقت کا شمر مرا خونِ گُلو مانگتا ہے

حبسِ یخ بستگیٔ ذہن سے ڈرتا ہے یہ دل
اس لیے جب بھی سنبھلتا ہے تو لُو مانگتا ہے

خود کو میں نوچ رہا ہوں تو یہ سمجھو حیدرؔ!
کوئی تو مجھ میں ہے جو میرا لہو مانگتا ہے

❁

یہ کرب ناک حادثہ ہوتا ہے دیر سے
گرتی ہے مجھ پہ طنز اداسی منڈیر سے

یک لخت مجھ پہ ٹوٹ پڑا رات کا مکاں
زندہ نکالیے مجھے سایوں کے ڈھیر سے

گردابِ وقت میں مرا دل ڈوبنے لگا
خود کو بچا سکا نہ میں لمحوں کے پھیر سے

اندر کا آدمی مجھے مغلوب کر گیا
بُزدل نے بازی جیت لی آخر دلیر سے

میں تو بجھا چراغ ہوں، کوئی جلائے تو
مجھ کو رہائی مل سکے میرے اندھیر سے

کب شام کے مزار میں خورشید دفن ہو
حیدرؔ! اس انتظار میں ہے شب، سویر سے

✿

سینے کے طاق میں جلا سُورج نما دیا
اندھوں کو کیا خبر تری چاہت نے کیا دیا

مجھ کو بھی دشتِ شب کی مسافت کا خوف تھا
اس نے بھی میرے دستِ طلب میں دِیا دیا

محسنؔ کے فیض سے ملی سورج کی جستجو
پیشِ ہَوا نہ لاؤں میں بُجھتا ہُوا دیا

ہم اپنی آنکھیں موند کے زندہ ہیں ورنہ دوست!
اس نے ہر ایک ہاتھ میں اِک آئنہ دیا

؎ فنکار ہے تو ہاتھ پہ سورج سجا کے لا
بجھتا ہوا دیا نہ مقابل ہوا کے لا
(محسنؔ نقوی)

دل کا مقام کیا تھا زمانے کے سامنے
تیرے لیے ہَوا سے اُلجھتا رہا دیا

حیدرؔ! ہر ایک دور میں موسیٰؑ کے ہاتھ میں
فرعونِ وقت کے لئے اس نے عصا دیا

✿

دل کا مسلک ہے بے کلی دِل کی
یوں ہی گزرے گی زندگی دل کی

بُجھنے دینا نہ سوزِ جاں کے چراغ
ماند ہو گی نہ روشنی دل کی

خواہشوں کی چتائیں جل اُٹھیں
راکھ ہو جائے تیرگی دل کی

کوئی شے کھو گئی سرِ راہے
دُور ہو گی نہ یہ کمی دل کی

عُمر بھر کی عبادتوں سے گراں
تیری درگہ میں اِک گھڑی دل کی

روشنی روح تک گئی حیدرؔ
صرف اِک آرزو جَلی دل کی

✿

میرا باطن میرے ظاہر سے خفا ہے کیا کہوں
خود مرے ہاتھوں سے میرا گھر لُٹا ہے کیا کہوں

بانٹتا پھِرتا ہے وہ دیمک زدہ بیساکھیاں
جس کو چلنے کا ہنر مری عطا ہے، کیا کہوں

سوچ کی کشتی میں کس نے بھر دیئے پتھر حروف؟
وہم کے گرداب میں وہ کیوں گھرا ہے کیا کہوں

دل کے کاغذ پر لکھی تحریر دُھندلی ہو گئی
وقت کی بارش میں کیا کچھ بہہ گیا ہے کیا کہوں

عدل کی میزان بھی حیدؔر! ہے اس کے ہاتھ میں
راہزن بھی اس کے دامن میں چھپا ہے، کیا کہوں

❁

کون آگاہ یہاں اپنی تباہی سے نہیں
جرأت شِکوہ مگر ''ظلِّ الٰہی'' سے نہیں

حَبس بھی ایک سبب ہے مری تاریکی کا
میری شمعوں کو گِلہ صرف ہَوا ہی سے نہیں

اس مسافر کو کہاں منزلِ مقصود ملے
جس کو نسبت ترے نقشِ کفِ پا ہی سے نہیں

میرے فٹ پاتھ پہ بیٹھے ہوئے افلاس کی خیر
دلِ دُرویش کو مطلب تری شاہی سے نہیں

درِ انساں پہ بھی سَر اپنا جھکا لو حیدرؔ!
رشتہ سجدے کا فقط ذاتِ خدا ہی سے نہیں

❁

مقام ان کا جدا ہو گا بے قراروں میں
خزاں تلاشتے پھرتے ہیں جو بہاروں میں

عذابِ جان ہُوا ہے طلسم منظر کا
نہاں ہے چہرۂ ابلیس ماہ پاروں میں

حصارِ ذات سے باہر نہ جا سکے گا کبھی
جو گیت کھو گیا سازِ نفس کے تاروں میں

سِناں کی نوک پہ کیسے لہو کی خوشبو ہے
کہاں کے پُھول پروئے ہیں تو نے خاروں میں

نگہ پہ کھل گیا حیدرؔ! بھرم سمندر کا
دراڑ جب سے نظر آ گئی کناروں میں

✿

دل مودّت کی مے سے مست ہوا
خُوب جینے کا بندوبست ہوا

اُس کا نقشِ قدم ہے سِدرہ پر
میں تو پاتال سے بھی پست ہوا

ایک لمحہ اگر یقیں کا مِلے
سنگِ منزل تو ایک جَست ہوا

لوحِ تاریخ پر لکھا ہے یہی
وہی جیتا جو سَر بدست ہوا

حق پرستی سے بھی گریزاں ہے
آدمی کتنا خود پرست ہوا

✿

سوزِ جاں گر نہ ملے عشق کی تزئین نہ ہو
وہ بھی کیا دل ہے جسے درد میں تسکین نہ ہو

آپ سے کچھ بھی نہیں مانگتے ہم گریہ کناں
صرف اتنا ہے ہمیں صبر کی تلقین نہ ہو

شیخ کو ضِد ہے کہ مسجد سے اُدھر کچھ بھی نہیں
عشق کہتا ہے مجھے چھوڑ کے بے دین نہ ہو

جُز ترے اور بھی چاہا تھا کئی لوگوں نے
ہم نے سوچا کہ ترے پیار کی توہین نہ ہو

وہ بچھڑنے کی دُعا مانگ رہا ہے حیدرؔ!
کچھ بھی ہو جائے ترے منہ سے تو آمین نہ ہو

✿

رہینِ رسمِ جہاں پھر جنوں نہ ہو جائے
خیال رکھنا مری جاں کہ یوں نہ ہو جائے

ہے شرطِ وصل اگر مرنا موت سے پہلے
تو پھر مجھی سے مرا قتل کیوں نہ ہو جائے

وفا کا دعویٰ نہ کر دینا جب تلک حیدرؔ!
عذابِ جاں تجھے وجہِ سکوں نہ ہو جائے

تم اپنی مشقِ ستم میں یہ بھول مت جانا
کہ آرزو کی طرح دل بھی خوں نہ ہو جائے

اِس احتیاط میں ہاتھ اپنے ہو گئے ہیں قلم
کہیں وفا کا عَلَم سرنگوں نہ ہو جائے

✿

عقل والوں کو یہ اندازہ نہیں
جُز فنا جینے کا خمیازہ نہیں

زرد موسم چاٹ جاتا ہے نمو
ایک پتہ بھی تر و تازہ نہیں

تو ہمہ تن گوش ہے تو کیا ہُوا
اب مرے لب پر جو آوازہ نہیں

میرے پاؤں میں پڑی زنجیر دیکھ!
بند مجھ پر تیرا دروازہ نہیں

اِک زمانہ تیرے کِیسے میں اور !!!
دامنِ حیدرؔ میں اِک لحظہ نہیں

❀

وقت نے سارے اُجالوں کا بھرم توڑ دیا
سَر حدِ شام پہ خورشید نے دَم -- توڑ دیا

اس کی یادیں (اثاثہ تھیں) گنوا دیں ہم نے
دلِ دُرویش پہ اب یہ بھی ستم توڑ دیا

اب بھی گرداں ہے ترے خون میں الحاد کا زہر
تُو نے کِس زعم میں پتھر کا صنم توڑ دیا

ہم پیاسے تھے مگر ایسی بھی کیا بات ہوئی
تُو نے تو ساحلِ دریائے کرم توڑ دیا

ہاتھ ہی چھین لیے اس سے کسی نے حیدرؔ!
کون کہتا ہے مصوّر نے قلم توڑ دیا

✿

ہم تمہارے ہیں بس یہ کافی ہے
حرفِ اظہار تو اضافی ہے

آرزو کا یوں دربدر -- ہونا
دل کے دستور کے منافی ہے

نارسائی سزا ہے اپنے لیے
ان کو ہر جُرم کی معافی ہے

جبرِ ماحول کا مرض پھیلا
دردِ دل کی دوا ہی شافی ہے

زندگی کی خطاؤں کی حیدرؔ!
موت کی آرزو تلافی ہے

❁

میں کیسے مان لوں موسم بڑے سجیلے ہیں
درخت زرد ہیں پتوں کے ہاتھ پیلے ہیں

فراتِ ذات پہ جانا ہے اور یہ مشکل ہے
ہماری راہ میں ریگِ ہوس کے ٹیلے ہیں

جو ہو سکا تو اسے دیں گے سر کا نذرانہ
وگرنہ زندگی کرنے کو لاکھ حیلے ہیں

کچھ اِس لیے بھی گریزاں ہوں شیریں لفظوں سے
کہ اِن کی تہہ میں معانی بہت کسیلے ہیں

عجیب جنگ سی جاری ہے میرے باطن میں
کہ دل کی بستی میں حیدرؔ! کئی قبیلے ہیں

✿

دل کے آنگن میں خموشی سے اُتر آئی ہے شام
وقت کا لے کر سندیسہ میرے گھر آئی ہے شام

روشنی کی موت کا ماتم کریں، نوحہ پڑھیں
اشک دامن میں لیے باچشمِ تر آئی ہے شام

اپنے ہاتھوں آج پھر سُورج کو دفنائے گا تُو!
کربِ تنہائی لیے بارِ دگر آئی ہے شام

رات دہلیز پر دم توڑنے کے ساتھ ساتھ
میری خاطر لے کے پیغامِ سحر آئی ہے، شام

دیکھ حیدرؔ! کس طرح کُمھلا گئی ہے زندگی
زرد رُت ہے، وقت بھی ہے نوحہ گر، آئی ہے شام

❁

سانسیں گِن لیں جو موند کر آنکھیں
کبھی ہوں گی نہ دربدر آنکھیں

تیری محشر سرشت شب کی قسم
سو نہ پائیں گی تا سحر آنکھیں

یاد رکھیں مسافتیں تیری
آنسوؤں کی ہیں رہ گزر آنکھیں

معجزہ ہے تری سخاوت کا
ورنہ تو اور یہ کم نظر آنکھیں

دل کے ہمراہ جاگتی ہیں بہت
میرے خوابوں کی عکس گر آنکھیں

جل گئی ہے دعاؤں کی تاثیر
کب بُجھیں گی یہ با اثر آنکھیں؟

ڈر تُو اس بات سے کہ برسائیں
آنسوؤں کی جگہ شرر آنکھیں

تا بہ حدِّ نظر خلاؤں میں
کیوں ہیں آمادۂ سفر آنکھیں

اعتبارِ وفا کا آئینہ
تیری آنکھیں وہ معتبر آنکھیں

نقشِ پا ان کا بوسہ گہ ٹھہرے
کاش بن جائیں سنگِ در آنکھیں

تیری تشنہ لبی پہ نوحہ کناں
مثلِ نہرِ فرات تَر آنکھیں

درد کیسے عیاں نہ ہو حیدرؔ!
دل تو سینے میں ہے مگر آنکھیں؟

بے نور کو سورج سے اُجالا نہیں ملتا
جب آنکھ ہی پتھر ہو تو رستہ نہیں ملتا

اِس دَور کے فرہاد میں جذبے کی کمی ہے
کہسار تو کٹ سکتا ہے، تیشہ نہیں ملتا

حق بات سمجھنے میں لگے وقت ذرا سا
تا زیست ہمیں وقت ذرا سا نہیں ملتا

ہر لب کے مقدر میں کہا جرأتِ اظہار
ہر شخص کو سقراط کا پیالہ نہیں ملتا

قاتل کو صفائی کی ضرورت ہی نہیں ہے
مقتول کا روندا ہوا لاشہ نہیں ملتا

اندھوں کے لیے آئنہ بے فیض ہے حیدرؔ!
بینائی نہ ہو پاس تو چہرہ نہیں ملتا

✿
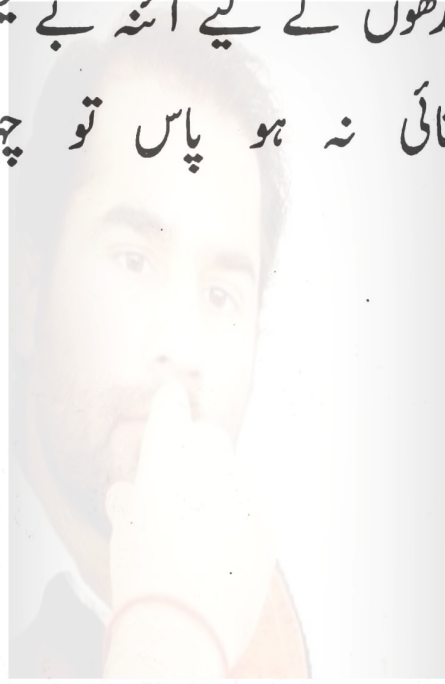
خود بھی روتا ہے آسماں مجھ پر
جب بھی گِرتی ہیں بجلیاں مجھ پر

مجھ کو گہرائیوں میں جانا ہے
باندھ پتھر کے بادباں مجھ پر

تیری خاطر لڑا تھا میں خود سے
تُو تو رکھتا نہ یہ گُماں مجھ پر

تلخیوں سے مجھے محبت ہے
تان سُورج کا سائباں مجھ پر

عقل کا ہاتھ کس طرح تھاموں؟
دل ہے تانے ہوئے کماں مُجھ پر

یادِ کربل کا فیض ہے حیدرؔ!
کوئی لمحہ نہیں گراں مجھ پر

✿

ہر بار نہ خود اپنے ہی تُو پاؤں پڑا کر
کر دیتا ہے جب بات تو پھر اُس پہ اڑا کر

اِس شعبدہ بازی سے بصارت نہیں ملتی
پتھرائی ہوئی آنکھ میں نیلم نہ جڑا کر

غم باعثِ تسکین ہے، سُن دل زَدگاں سے
ہر زخم ہی چھوٹا ہے اگر ظرف بڑا کر

جڑ میں تو ابھی تابِ نمو باقی ہے حیدرؔ!
آندھی سے گِرے پیڑ کو اِک بار کھڑا کر

اب میرے گریباں سے اُلجھتے ہیں مرے ہاتھ
اور وہ ہے تماشائی مجھے خود سے لڑا کر

❁

محبتوں کا اثاثہ گنوا دیا میں نے
جو قول تم سے کیا تھا بُھلا دیا میں نے

اُجڑ چکے ہیں مرے خواب، لُٹ گئی آنکھیں
دلِ حزیں کو یہ ''مژدہ'' سنا دیا میں نے

میں خود سے دور رہا ہوں تو کیا تعجب ہے
کب اپنے آپ کو اپنا پتہ دیا میں نے

یہ حبسِ جاں، یہ غمیں رُت، یہ زرد رُو لمحے
ندامتوں کے سِوا دل کو کیا دیا میں نے

نجانے کون سی شے ڈھونڈتا ہوں ملبے میں
خود اپنے ہاتھ سے گھر کو جلا دیا میں نے

✿

ستم یہ کیسا کیا ہے ہَوا کی آہٹ نے
کہ اپنے سَر سے اچانک لگی گھٹا ہٹنے

یہ دھڑکنیں ہیں کہ سینے میں زلزلے اُترے
ڈرا دیا دلِ لرزاں کی کپکپاہٹ نے

وہ آنکھ تابشِ خورشید کیا سہے، جس سے
نگاہ چھین لی تاروں کی جگمگاہٹ نے

میں تیری سمت چلا تو یہ معجزہ دیکھا
ہر ایک سنگ مری راہ سے لگا ہٹنے

یہ ظلم پچ نہ سکے گا کہ اُس کے چہرے پر
لہو چھڑک دیا پنچھی کی پھڑپھڑاہٹ نے

جایئے، مَت "اگر مگر" کیجے
بات کیجے تو معتبر کیجے

زیست سب کچھ نہیں ہے دل والو!
عشق ہے تو اِسے امر کیجے

شب کی دھرتی میں بویئے خورشید
سوچ کی راکھ کو شرر کیجے

کھو نہ جائے شکستِ دل کا وقار
آرزو کو نہ دربدر کیجے

جب فضا میں بھی حَبس پھیلا ہو
کیوں پھر افسوسِ بال و پَر کیجے

خود کو پانے کا راستہ ہے یہی
اپنے دل میں کبھی نہ گھر کیجے

گِر چکے ہیں ہم اپنی نظروں سے
ہو سکے تو اِدھر نظر کیجے

زرد رُت کے غمیں گلابوں کو
جب بہار آئے تو خبر کیجے

❁

وہ غم پایا تری قربانیوں سے
محبت ہو گئی ویرانیوں سے

یہ اعجازِ جنابِ مرتضیٰؑ ہے
کہ مشکل کٹ گئی آسانیوں سے

کناروں میں سمٹنا بزدلی ہے
مِلا یہ راز ہم کو پانیوں سے

زمانہ کب تلک کھیلے گا آخر
ہماری بے سروسامانیوں سے

خلائیں گھورتے رہنے سے مقصد؟
ملے گا کیا تمہیں حیرانیوں سے

چُھپا کر رکھ لیا سینے میں دل کو
کہ ڈر جاتا یہ عُریانیوں سے

گنہ ہے خود کو آزادی دلانا
یہ سیکھا ہے ترے زندانیوں سے

خزاں جو دل کو حیدرؔ! کیا مِلے گا
بہاروں کی تہی دامانیوں سے

ہر ایک شام کا منظر دھواں دھواں ہو گا
فراتِ درد مری آنکھ سے رواں ہو گا

چمک چمک کے جلوں گا دلِ شرر کی طرح
میں وہ نہیں ہوں کہ جینا جسے گراں ہو گا

کسے خبر تھی سرِ دشتِ زندگی لوگو!
جلے گا جسم تو سُورج کا سائباں ہو گا

شکستہ ناؤ تلاطُم میں، آہنی پتوار
تری وفا میں اب ایسا بھی امتحاں ہو گا

یقین بن کے جہاں پر خودی سما جائے
وہ سَر کہیں بھی ہو حیدرؔ! سرِ سِناں ہو گا

✿

لمحہ شعورِ ذات کا وقفِ عذاب ہے
آئینہ ہے کہ محشرِ صد اضطراب ہے

میں ہوں بھی تو نہیں ہوں اگر تو نہیں ہے ساتھ
میں گردِ آفتاب ہوں تو آفتاب ہے

دیکھا تھا ایک خواب مِلے امن آشیاں
جلتے ہیں بام و در، یہی تعبیرِ خواب ہے؟

تڑپے ہے موج موج کناروں کے درمیاں
دریا بھی بہرِ تشنہ لباں آب آب ہے

حیدرؔ! تُو اپنے نام کی نسبت کا فیض دیکھ
دل کو نصیب عشقِ رسالت مآبؐ ہے